ماہنامہ
اظہار
کراچی
JANUARY 2023

بھنبھور: سندھ کا قدیم تاریخی اور ساحلی شہر

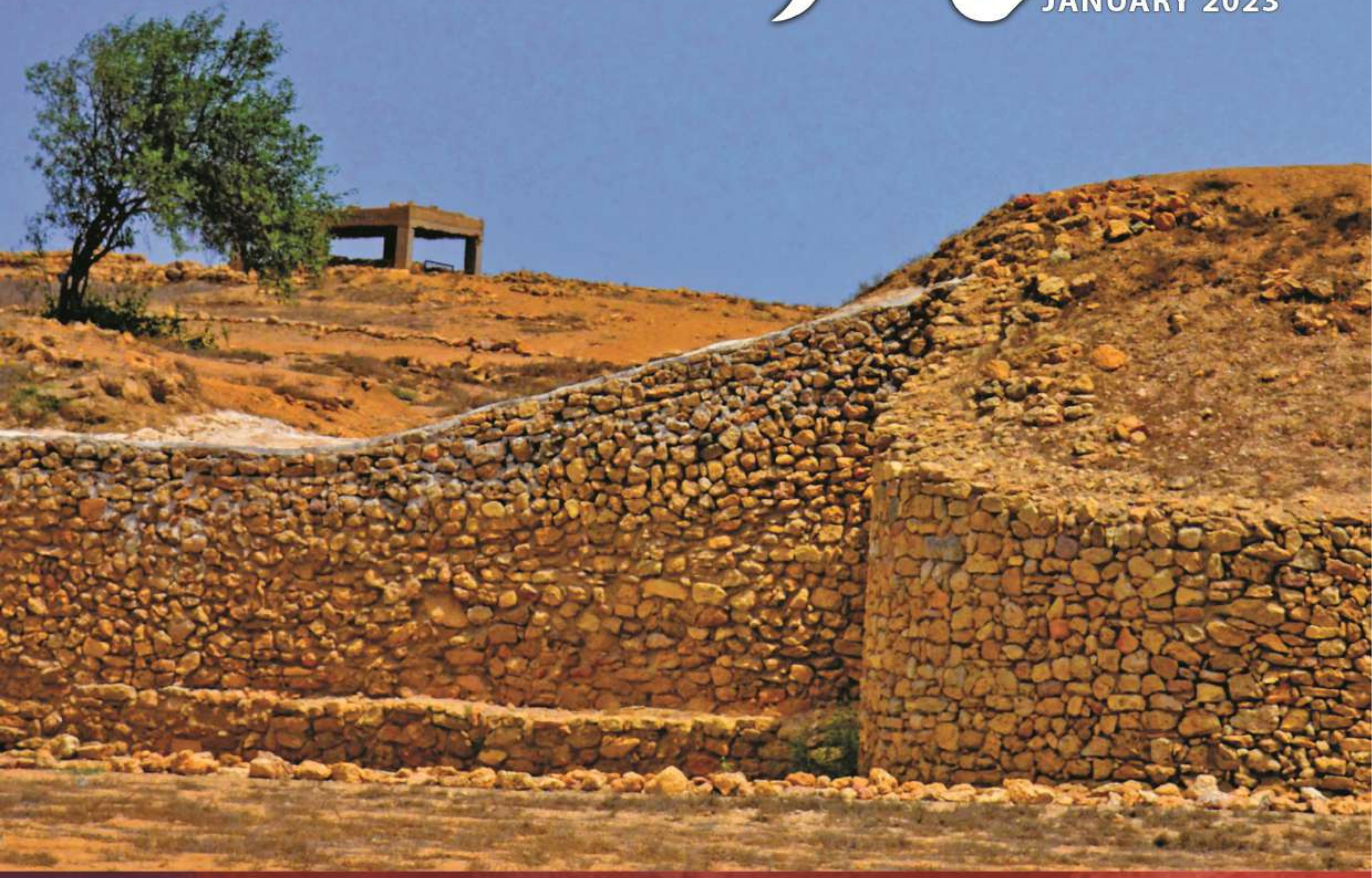

تمباکو نوشی پر پابندی کے
قوانین سخت کرنے کی ضرورت

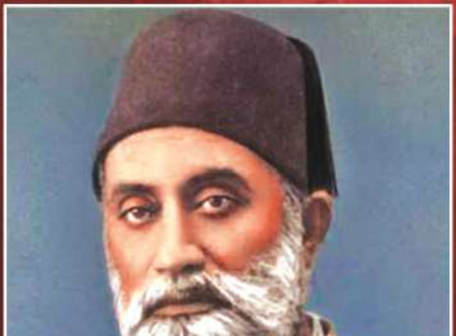

سندھ میں تعلیم کے فروغ میں اہم شخصیات کا کردار

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ سندھ اسمبلی میں 2022 کے تباہ کن سیلاب کے بارے میں خطاب کرتے ہوئے۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ سینٹ پال انگلش ہائی اسکول کے کیمپس میں ثقافتی دن کا افتتاح کرنے کے لیے ربن کاٹ رہے ہیں۔
اس موقع پر سکول کے پرنسپل مسٹر لیونارڈ انتھونی ڈیاس اور ایم پی اے نوید انتھونی موجود تھے۔

فہرست

اداریہ		02
نعت مقبول ﷺ	سخاوت علی جوہر	03
سورہ یوسف ہماری زندگیوں کے لیے مختلف اسباق احسن القص	مہوش اویس	04
حجر اسود: جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت	محمد عامر حسین	07
شہید ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کی تاریخ ساز شخصیت	نسرین اختر	10
سندھ میں تعلیم کے فروغ میں اہم شخصیات کا کردار	عامر حسین	14
حاکمِ سندھ میاں نور محمد کلہوڑو کا وصیت نامہ	مرزا کاظم رضا بیگ	18
تمباکو نوشی پر پابندی کے قوانین سخت کرنے کی ضرورت	یسریٰ سلیم	22
مختلف قسم کے کینسر اور ان کی علامات	محمد سلمان	25
بھنبھور: سندھ کا قدیم تاریخی اور ساحلی شہر	قرۃ العین ذیشان	33
ترقی پسند تحریک کی پہلی ادیبہ عصمت چغتائی	محمد سمیع اللہ	37
نیرہ نور۔ بلبلِ پاکستان	اطہر بیگ	40
دنیا کے مقبول ترین سیاحتی مقامات	شہناز اختر	43
قسطنطنیہ اور عثمانی سلطنت خلافت کا ایک الگ دور	سمیع اللہ	46
غرناطہ اور الحمرا کے محلات	عامر حسین	50
کینابڑیول صحت مند نامیاتی مرکب	افسانہ بدر	54
Emotional Neglect in Childhood	Shahnaz Akhtar	58

ناشر: محکمہ اطلاعات، حکومت سندھ

پرنٹر: پیکاک پرنٹرس اینڈ پبلشرس، کراچی۔ فون: 0300-2152634

ماہنامہ اظہار کراچی

جلد 27 شمارہ 01، جنوری 2023ء

نگران اعلیٰ

شرجیل انعام میمن

وزیرِ اطلاعات، حکومت سندھ

نگران

عمران عطا سومرو

سیکریٹری اطلاعات، حکومت سندھ

....

مدیر اعلیٰ

منصور احمد راجپوت

ڈائریکٹر انفارمیشن پبلیکیشن

مدیرہ

ارم ملک

ڈپٹی ڈائریکٹر

......

معاونین

رقیہ خانم، عثمان غنی

کمپوزنگ/لے آوٹ

سید آفاق شاہ

رابطے کے لئے

ڈائریکٹر مطبوعات

محکمہ اطلاعات، حکومت سندھ

بلاک 95، سندھ سیکریٹریٹ B-4، کراچی

فون۔ 021-99202610

www.information.sindh.gov.pk/publications

publication.sid@gmail.com

www.twitter.com/Publication_sid

www.facebook.com/publication.sid

ادار یہ

تمباکو نوشی پر پابندی کے قوانین سخت کرنے کی ضرورت

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں ایک سال میں سات ملین سے زائد افراد تمباکو نوشی کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ طبّی ماہرین کا کہنا ہے کہ نوجوان نسل میں تمباکو نوشی کا رجحان کافی زیادہ بڑھ رہا ہے۔ماہرین کے مطابق سگریٹ پینے والا صرف خود کو ہی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ اس کا دھواں دوسرے افراد کو بھی متاثر کرتا ہے جس سے امراض قلب، پھیپھڑوں کا سرطان سمیت کئی مرض جنم لیتے ہیں۔کچھ تمباکو نوشی کرنے والے افراد کا دعوی ہے کہ وہ دباؤ کی وجہ سے اس عارضے میں مبتلا ہو چکے ہیں اور سگریٹ کے دو کش لگانے سے انہیں کافی راحت ملتی ہے۔

کئی ممالک میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ سگریٹ نوشی کم کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بہتری آئے گی اور یہ کینسر کے معاملے میں درست ہے لیکن دیگر بیماریوں کے حوالے سے ایسا نہیں ہے۔دل کے امراض اور فالج کے خطرے کو کم کرنے کے لیے سگریٹ نوشی مکمل طور پر چھوڑنا ضروری ہے۔ سگریٹ نوشی سے ہونے والا نقصان چند برسوں میں ہو جاتا ہے جس کے اثرات عمر بھر رہتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اچھی بات یہ ہے کہ سگریٹ نوشی چھوڑنے کی صورت میں دل کے امراض ہونے کے امکانات میں تیزی سے کمی دیکھنے میں آتی ہے۔

ادارہ

نعت مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سخاوت علی جوہر

آپ ہی دِل ہو جگر جان رسُولِؐ عربی
ہو مرا دین اور ایمان رسُولِؐ عربی

میں ہوں کیا اور مری جان کی کیا ہے اوقات
میرے ماں باپ بھی قُربان رُسولِؐ عربی

یوں تو دنیا میں نبی آئے بہت سے لیکن
آپؐ نبیوں کے ہیں سلطان رُسولِ عربی

عاصیوں پر بھی ہے رحمت کی نظر کیا کہنے
بے شک احسان ہے، احسان رسُولِؐ عربی

بات اب اس سے بڑی اور بھلا کیا ہوگی
مہرباں ہم پہ ہیں ہر آن رسُولِؐ عربی

آپؐ کے روضے پہ جاکر ہی مرادم نکلے
میرا تو ہے یہی ارمان رسُولِؐ عربی

آپؐ کا اُمتی ہونے کا ہے دعویٰ جوہر
معتبر ہے مری پہچان رسُولِؐ عربی

سورۃ یوسف

ہماری زندگیوں کے لیے مختلف اسباق احسن القصص

مہوش اویس

سورۃ یوسف قرآن مجید کی 12 ویں سورت جس میں سیدنا یوسف ؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی کے آخری دور میں یہ سورت نازل ہوئی۔ سورۃ یوسف قرآن مجید کی وہ واحد سورۃ ہے جو اپنے اسلوب بیاں، ترتیب بیاں اور حسنِ بیاں میں باقی سورۃ سے منفرد اور نمایاں ہے۔ پوری سورۃ مبارکہ کا مضمون سیدنا یوسف ؑ کی سیرت کے نہایت اجلے پہلو، عفت و عصمت اور پاکیزہ سیرت و کردار پر مشتمل ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کے قصے بیان کیے ہیں جن میں حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بہت سے دوسرے انبیا شامل ہیں۔ قرآن مجید میں ان قصوں کے ذکر کی بہت سی وجوہات ہیں:

جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ان کے قصوں میں یقیناً عقل والوں کے لیے ایک سبق ہے۔(سورۃ یوسف، آیت111)

اور یقیناً سورہ یوسف میں بھی سبق ہیں جو سیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف کو ایک بہترین کہانی کہا ہے جس میں حضرت یوسف ؑ کا قصہ سنایا ہے۔

”ہم نے اس قرآن میں سے جو کچھ آپ پر نازل کیا ہے

ان میں آپ کو بہترین کہانیاں سناتے ہیں حالانکہ آپ اس سے پہلے بے خبر تھے۔" (سورہ یوسف، آیت ۳)

سورہ یوسف کے بارے میں غلط فہمی:-

علم کی کمی کی وجہ سے ہم صرف فرعون کی بیوی (مصر کے ہر حکمران کو فرعون کے القابات دیے جاتے تھے، ان کا اصل نام کوئی نہیں جانتا) اور حضرت یوسفؑ سے زلیخا کی محبت پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور کہانی کے دیگر حصوں کو یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں. حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس قصے کو احسن القصص کا نام دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس میں کچھ منفرد ضرور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو "احسن القصص" یعنی تمام قصوں میں سب سے اچھا قصہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس زندگی کے اتار چڑھاؤ میں اور رنج و راحت اور غم و سرور کے مد و جزر میں ہر ایک واقعہ بڑی بڑی عبرتوں اور نصیحتوں کے سامان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اس لئے ہم اس قصہ عجیبہ کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین اس سے عبرت حاصل کریں اور خداوند قدوس کی قدرتوں کا مشاہدہ کریں۔

حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) یہودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبولون (۶) یسجر (۷) دان (۸) نفتالی (۹) جاد (۱۰) آشر (۱۱) یوسف (۱۲) بنیامین

حضرت بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ باقی دوسری ماؤں سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ اپنے باپ کے پیارے تھے اور چونکہ ان کی پیشانی پر نبوت کے نشان درخشاں تھے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام ان کا بے حد اکرام اور ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔ سات برس کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور چاند و سورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنا یہ خواب اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تو آپ نے ان کو منع فرمادیا کہ پیارے بیٹے! خبردار تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے مت بیان کردینا ورنہ وہ لوگ جذبہ حسد میں تمہارے خلاف کوئی خفیہ چال چل دیں گے۔

اگر آپ سورہ یوسف کو ترجمہ کے ساتھ پڑھیں تو اس سے آپ کو حضرت یوسفؑ کی کہانی کے بارے میں بہت سے اخلاقی سبق ملتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ اس میں بہت سارے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے جن میں والدین کے تئیں بچوں کی ذمہ داریاں اور فرائض، حسد سے کیسے نمٹا جائے، صبر کیسے کیا جائے، اپنی خواہشات پر کیسے قابو پایا جائے اور بہت کچھ۔

آیئے اس پر غور کرتے ہیں کہ ہمیں سورہ یوسف سے کیا سبق ملتا ہے:

1۔ صبر کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو:

کنویں کے واقعہ کے فوراً بعد حضرت یوسفؑ کو سلسلہ وار واقعات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کا ایمان مضبوط رہا۔ جب وہ مصر میں بیچے گئے، جب فرعون کی بیوی نے ان پر جھوٹے الزامات لگائے، جب وہ بغیر کسی وجہ کے قید کر دیے گئے، حضرت یوسفؑ پر سکون رہے اور صبر کیا۔ انھوں نے ایک جملے میں تمام مصائب کا خلاصہ بیان کیا:

" اس نے میرے ساتھ احسان کیا کہ اس نے مجھے قید سے نکالا اور تم سب کو گاؤں سے یہاں لایا جب کہ شیطان کی طرف سے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان [فساد] ڈال دیا تھا۔" (سورہ یوسف، آیت 100)

2۔ حسد سے پرہیز کریں:

سورہ یوسف میں بہت سے اسباق ہیں جیسا کہ ہمیں اس دنیا کو ایک بہتر جگہ بنانا چاہیے۔ حسد برادریوں کو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور خاندانوں کو توڑ دیتا ہے۔ ایسا ہی ہوا جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہ ماننے لگے کہ ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام

سے دوسرے بیٹوں کی نسبت زیادہ محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو بھائیوں پر اپنا خواب ظاہر کرنے سے منع کیا۔ یہ حسد ہی تھا جس نے ان بھائیوں کو ایک حاسد گروہ بننے پر مجبور کیا اور انھوں نے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینک دیا۔

جیسا کہ قرآن نے ذکر کیا ہے، اس نے کہا، ''اے میرے بیٹے، اپنا خواب اپنے بھائیوں سے مت بیان کرنا، ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی منصوبہ بنائیں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (سورہ یوسف، آیت 5)

یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ حسد سادہ زندگیوں کو کس طرح دکھی بنا سکتا ہے۔ اس لیے جب بھی آپ کسی اور کی دولت، عزت یا شہرت کو دیکھیں تو حسد کرنے کی بجائے صرف ماشاءاللہ کہیں۔

3۔ اللہ کی نافرمانی سے بہتر مشکلات کا سامنا کرنا ہے:

حضرت یوسف نے جیل میں رہنے کو ترجیح دی کیونکہ وہ فرعون کی بیوی کی خواہشات کو پورا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا:

'' اے میرے رب، قید میرے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہے۔ اور اگر تو نے مجھ سے اس کی تدبیر کو نہ ٹالا تو میں اس کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔'' (سورہ یوسف، آیت 33)

4۔ معاف کردو۔ اللہ تعالیٰ معافی کو پسند کرتا ہے:

جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بنے اور ان کے بھائیوں سے ان کا سامنا ہوا تو انھوں نے ایک لفظ برا بھلا کہے بغیر سب کو معاف کر دیا۔ یہ سورہ یوسف کا ایک خوبصورت سبق ہے۔

انھوں نے کہا: ''آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ تمہیں معاف کردے گا اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' ۔(سورہ یوسف، آیت 92)

5۔ اپنے آپ کو گناہ سے بچاؤ:

حضرت یوسف علیہ السلام ظاہری اور باطنی طور پر خوبصورت تھے۔ اسی خوب صورتی نے بادشاہ کی بیوی کو وہ کرنے پر مجبور کیا جو اس نے کیا تھا، اور ان کی ظاہری خوبصورتی نے دوسری عورتوں کو اپنے ہاتھ کاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کی باطنی خوبصورتی ان کی بلند عفت کی وجہ سے تھی، باوجود اس کے کہ گناہ کرنے کے بہت سے مواقع تھے۔ اسی لیے فرعون کی بیوی نے کہا کہ میں نے اسے بہکانا چاہا لیکن اس نے انکار کیا۔ ان کا انکار ان کی طاقت اور اللہ پر یقین کو ظاہر کرتا ہے۔ جب فرعون کی بیوی نے انہیں مائل کرنا چاہا تو انہوں نے ان الفاظ میں اللہ کی پناہ مانگی۔

'' اس نے کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ بے شک وہ میرا آقا ہے جس نے میرا ٹھکانہ بنایا ہے۔ بے شک ظالم کامیاب نہیں ہوں گے۔'' (سورہ یوسف آیت نمبر 23)

ہر انسان کو اکثر اس کی زندگی سورہ یوسف جیسی محسوس ہوتی ہے۔ بیمار صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ خواب سچ ہو جاتے ہیں۔ دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ اپنے مل جاتے ہیں۔ ظالم گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ برا کرنے والے کا کیا اُسکے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اور کامیابی آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔ آپ کو اللہ مل جاتا ہے۔۔ خواہشات کی غلامی کی زنجیریں کمزور ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں۔ صبر اور شکر آپ کی عادت بن جاتا ہے۔

مگر یہ ملنا آسان نہیں ہے۔ اس میں سالوں کی مشقت لگتی ہے چاہے وہ ذہنی ہو یہ جسمانی۔ آپکو کئی مرتبہ گر کر کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ کئی بار دھوکہ کھانا پڑتا ہے۔ دل کئی بار ٹوٹتا ہے اور پھر جا کر اللہ کا گھر بنتا ہے۔ انسان کے دِل کو کسی مٹّی کے ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح ہونا چاہیے۔ جس میں صرف اللہ کی محبت سمائی ہو۔ کسی انسان کی محبت ایک طرف سے اگر اندر آئے تو دوسری طرف سے باہر چلی جائے۔ بس انسان کی منزل اس کا رب ہونا چاہیے۔ گویا اس سورہ مبارکہ کا مطالعہ ہر لحاظ سے ہمیں اپنی زندگی میں گہرائی سے جھانک کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی کی اصل روح کے مطابق ادا کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

■

حجر اسود: جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت

محمد عامر حسین

حجرِ اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک ہے جسے سیدنا آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے، اور تعمیر بیت اللہ کے وقت ایک گوشہ میں نصب فرمایا تھا۔

طواف کی ابتدا حجرِ اسود کے استلام سے ہوتی ہے، یہ جنت کا پتھر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے گناہ جذب کرنے کی عجیب صلاحیت رکھی ہے، چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نَزَلَ الحَجَرُ الأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ اللَّبَنِ، فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ". (رواہ الترمذی ۸۷۷، الترغیب والترہیب: ۲۷۰)

ترجمہ: جس وقت حجر اسود جنت سے اترا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، پھر آدمیوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔

اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ "حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں دو یاقوت ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو ختم نہ فرماتے تو یہ پوری زمین وآسمان کو روشن کر دیتے"۔ (ترمذی شریف: ۸۷۸، الترغیب والترہیب: ۲۷۰)

نیز یہ بھی مروی ہے کہ حجرِ اسود قیامت کے دن اپنے بوسہ لینے اور استلام کرنے والوں کے حق میں سفارش کرے

گا اور اس دن اللہ تعالیٰ اس کو زبان اور ہونٹ عطا فرمائیں گے۔

طوفانِ نوح علیہ السلام میں آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ آسمانوں پر اُٹھائے جاتے وقت اس متبرک پتھر کو شکمِ جبلِ ابی قبیس میں امانت رکھ دیا گیا تھا، پھر تعمیر ابراہیمی کے وقت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی خدمتِ عالیہ میں پیش کردیا تھا، اس طرح اُسے پھر اسی جگہ کی زینت بنادیا گیا جہاں پہلے رونق افروز تھا۔(تفسیر قرطبیؒ)

اس کے فضائل اور اوصاف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات حدیث اور تاریخ کی کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، لیکن جنت کا یہ انمول موتی، عالی مرتبت، مقدس ومتبرک یاقوت، گردشِ ایام کی ستم رانیوں سے محفوظ نہ رہ سکا، متعدد بار اُسے فساق وفجار ظالموں کے ہاتھوں تختۂ مشق بننا پڑا، بارہا حوادثات کا شکار ہوا اور اس کے نازنین بدن پر کتنی ہی مرتبہ زخم آئے۔

۳۱۷ھ میں جب مکہ مکرمہ قرامطہ کے دستِ تصرف میں آیا، تو ابو طاہر سلیمان بن الحسن نے جو قرامطہ کا سردار تھا، حرم محترم میں خون کی ہولی کھیلی۔ ۸/ذوالحجہ ۳۱۷ھ کو اس قدر قتل عام کیا کہ حجاج کی لاشوں سے چاہِ زمزم بھر گیا، شہر اور مضافات کے تیس ہزار بے قصور افراد کو موت کی نیند سلادیا، جن میں سترہ سو حاجی اور سات سو طواف کرنے والے بھی شہید ہوگئے، اس نے یہ سارا کھیل میزابِ رحمت یعنی کعبہ شریف کا پرنالہ جو سونے کا تھا، اُکھاڑنے، مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود چوری کرنے کی نامشکور جسارت کے لیے کھیلا تھا۔

دو آدمی اس مذموم حرکت کے لیے کعبہ شریف پر چڑھے، مگر آن واحد میں سر کے بل زمین پر گر کر واصلِ جہنم ہو گئے، مقامِ ابراہیم تو اس کے دست تصرف سے مامون رہا، کیوں کہ خدام حرم نے اُسے پہاڑ کی گھاٹی میں کہیں چھپا دیا تھا، مگر ۱۴/ذوالحجہ ۳۱۷ھ بروزِ اتوار عصر کے وقت جعفر بن حلاج نے ابوطاہر کے حکم سے حجرِ اسود کو کدال سے اُکھاڑ لیا، اس پر کئی ضربیں لگائیں جس سے کچھ ریزے ٹوٹ گئے اور اپنے ساتھ بحرین لے گئے، اور اس کی جگہ خالی رہ گئی۔

تقریباً بائیس سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بحرین کے شہر ''ہجر'' سے بروز بدھ ۱۰/ذوالحجہ ۳۳۹ھ کو یہ مبارک پتھر واپس ہوا، واپسی بھی معجزنما تھی، قرامطیوں سے بار بار واپسی کا مطالبہ جب زور پکڑ گیا تو انہوں نے یہ عذرِ پیش کیا کہ وہ پتھر تو دوسرے پتھروں میں مل جل گیا ہے، ان میں سے اسے الگ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں، اگر تمہارے پاس اس کی کوئی علامت ہے تو تلاش کر لو، چنانچہ علماءِ کرام سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ان سب پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے، جو پتھر آگ میں پگھل یا پھٹ جائیں وہ حجرِ اسود نہیں، حجرِ اسود کو آگ متاثر نہیں کر سکتی کیوں کہ یہ جنت کا پتھر ہے۔ اس طرح اس مقدس پتھر کی برتری اور مقبولیت کا لوہا منوا کر اُسے واپس لوٹایا گیا اور پھر سے کعبہ شریف کی زینت بنادیا گیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''یہ ظالم ابوطاہر چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہوا، اس کا جسم پھٹ گیا اور نہایت ذلت کے ساتھ مرا۔'' (اعلام الاعلام، ص:۱۶۵، مرقات، ج:۵، ص:۳۲۰)

علامہ قطب الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابوطاہر قرامطی بدبخت کو ابرہہ کی طرح بیت اللہ کی بجائے اپنے شہر ''ہجر'' میں حج کا اجتماع کرانے کا جنون دماغ میں پیدا ہوا، اس نے اس غرض سے ایک عالی شان محل بنوایا جس کا نام ''دار الہجرہ'' رکھا، چناں چہ ۳۱۷ھ میں حج کے ایام میں ایک لشکرِ جرار لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا، طواف کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور احرام کی حالت میں حاجیوں پر دستِ ستم دراز کیا، حد یہ کہ حرمِ محترم کے اندر بھی بے دریغ قتل کیا، شہر کے علاوہ گرد و نواح میں قتلِ عام کا بازار گرم کیا، تیس ہزار بے گناہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے، اس قدر روح فرسا واقعہ کبھی رونما نہیں ہوا تھا، وہ ظالم کہتے تھے کہ تم مسلمان کہتے ہو: ''من دخلہ کان آمناً'' (یعنی جو حرم میں داخل ہو گیا وہ مامون ہو گیا) بتاؤ اب امن کہاں گیا؟''

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں:

''ابوطاہر نے کعبۃ اللہ کا دروازہ اکھاڑ پھینکا، غلافِ کعبہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے فوجیوں میں بانٹ دیا، حجرِ اسود کو اکھاڑ کے ساتھ لے گیا، اہلِ مکہ کے گھر بار اور مال ومتاع کو لوٹ لیا، اس نے روانگی کے وقت یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ سے حج اس کے ہاں ہوا کرے گا۔''

خلافتِ مستکفی کے امراء نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح حجرِ اسود واپس آجائے، انہوں نے پچاس ہزار دینار سرخ کی پیش کش بھی کی، مگر قرامطی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ (ابوطاہر) اس خیالِ فاسد پر قائم تھا کہ یہ ناپاک جسارت اپنے امام عبید اللہ المہدی والی افریقہ کی خوشنودی کے لیے کر رہا ہے، لیکن جب منصور اسماعیل نے قیروان سے حجرِ اسود کی واپسی کا مطالبہ شدت سے کیا اور ادھر عبید اللہ المہدی نے بھی ابوطاہر کو سختی سے ڈانٹا کہ اگر حجرِ اسود واپس نہ کرو گے تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اس لیے مجبوراً ۳۳۹ھ میں واپس کرنا پڑا، جب کہ اس سے قبل خلافتِ مستکفی کی جانب سے پچاس ہزار دینار کے عوض بھی واپسی کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا تھا۔ (ابن خلدون ج:۵، ص:۱۹۶)

سائنسی اعتبار سے حجر اسود یہ آسمان سے آیا ہو مٹر وائٹ یعنی شہاب ثاقب ہے اور اس کا رنگ اوّل یوم سے اسود ہے اسی لئے اس کا نام حجر اسود تھا اور ہے اور رہے گا اس پتھر کا نام کبھی بھی حجر ابیض نہیں رہا۔

■

شہید ذوالفقار علی بھٹو

پاکستان کی تاریخ ساز شخصیت

نسرین اختر

پاکستان کی تاریخ کا زندہ جاوید کردار ذوالفقار علی بھٹو 5 جنوری 1928ء بروز جمعرات کو صوبہ سندھ کے شہر لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تحریک پاکستان کے رہنما سر شاہ نواز بھٹو ایک رئیس زمیندار اور بااثر سیاست دان تھے، سر شاہ نواز بھٹو مشیر اعلیٰ حکومت بمبئی اور جوناگڑھ کی ریاست میں دیوان تھے، ان کی والدہ کا نام خورشید بیگم تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم بمبئی سے اور اعلیٰ تعلیم برکلے یونیورسٹی کیلی فورنیا اور آکسفورڈ یونیورسٹی لندن سے حاصل کی۔ آپ نے پولیٹیکل سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے بعد لنکن ان سے وکالت پاس کی۔ 1953ء میں کراچی واپس آئے اور قانون کے لیکچرار رہے، ساتھ ہی وکالت بھی جاری رکھی۔ دورانِ تعلیم South Hempton یونیورسٹی میں بین الاقوامی قانون کے لیکچرار رہے۔

25 نومبر 1954ء کو ذوالفقار علی بھٹو سندھ یوتھ فرنٹ کے صدر کے طور پر پہلی بار خبروں میں آئے جب انہوں نے ون یونٹ کے قیام کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ ستمبر 1957ء میں پہلی بار انکی سرکاری خدمات سامنے آئیں، جب وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ایک اجلاس میں شریک پاکستانی وفد میں شامل تھے جہاں ان کی تقاریر سے سرکاری حلقے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ چھ ماہ بعد مارچ 1958ء میں جب پاکستان کا ایک اور وفد اقوام متحدہ کے جنیوا میں ہونے والے ایک اجلاس میں شرکت کے لیے گیا تھا تو اس وفد کی قیادت ذوالفقار علی بھٹو نے کی تھی۔ 7 اکتوبر 1958 کو اس وقت کے صدر جنرل اسکندر مرزا نے آئین کو معطل کیا اور وزیر اعظم ملک فیروز خان نون کو گھر بھیجا اور ملک گیر مارشل لاء لگا کر آرمی چیف جنرل محمد ایوب خان کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ مارشل لاء کے نفاذ پر پہلے اسکندر مرزا اور پھر جنرل ایوب خان کی کابینہ میں بھٹو بطور وزیر شامل ہوئے۔ دراصل 25 اکتوبر 1958ء کو جنرل ایوب خان کو وزیر اعظم بھی بنا دیا گیا تھا، جنہوں نے صرف تین دن بعد یعنی 27 اکتوبر 1958ء کو اسکندر مرزا کو ہٹا دیا، انہیں ملک بدر کیا اور خود عہدہ صدارت میں براجماں ہوگئے تھے۔

صدر جنرل ایوب خان نے جس گیارہ رکنی کابینہ کا اعلان کیا تھا، اس میں تین فوجی جرنیلوں کے علاوہ آٹھ غیر سیاسی سویلین بھی تھے ان میں تیس سالہ نوجوان وکیل ذوالفقار علی بھٹو کو وزیر تجارت کا عہدہ دیا گیا تھا جو اس وقت تک پاکستان کے کم عمر ترین وزیر تھے، پھر اپنی کارکردگی سے اس قدر متاثر کیا کہ صرف سوا سال کے عرصے میں ذوالفقار علی بھٹو کو صدر جنرل ایوب خان نے 7 جنوری 1960ء کو اپنی گیارہ رکنی کابینہ میں وزارتوں کی تقسیم نو کی تو ذوالفقار علی بھٹو واحد وزیر تھے، جنہیں سب سے زیادہ یعنی چھ وزارتوں کے قلمدان سونپ دیئے گئے تھے۔ ان وزارتوں میں وزیر اطلاعات و نشریات، وزیر قومی تعمیر نو، وزیر دیہی ترقی، وزیر بلدیات، وزیر سیاحت اور وزیر اقلیتی امور شامل تھیں۔ صرف تین ماہ بعد وزیر ایندھن، پانی، بجلی اور قدرتی وسائل کی وزارتوں پر بھی فائز ہوئے، پھر 24 جنوری 1963ء کو وزیر بنا دیا گیا تو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ 21 جون 1964ء کو صدر جنرل ایوب خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو اعلیٰ کارکردگی پر پاکستان کا سب سے بڑا سول ایوارڈ ہلال پاکستان سے بھی نوازا تھا لیکن 17 جون 1966ء کو دونوں کی راہیں جدا ہوئیں تو جنرل ایوب خان کا ستارہ گردش میں آگیا جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کامیابیوں کی بلندیوں کی طرف گامزن ہوئے۔

ستمبر 1965ء کی پاک و بھارت جنگ کے دوران ذوالفقار علی بھٹو نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مسئلہ کشمیر پر ایک شاندار تقریر کی ذریعے اقوام عالم کو ہم نوا بنایا لیکن جب جنوری 1966ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیاں، معاہدہ تاشقند، پر دستخط ہوئے تو آپ کے ایوب خان سے اختلافات کا آغاز ہوا اور آپ وزیر خارجہ کے عہدے سے مستعفی ہوگئے۔ 30 نومبر اور یکم دسمبر 1967ء کو آپ نے

جنوری
2023ء
ماہنامہ اظہار کراچی

اپنے ہم خیال احباب کے ساتھ دوروزہ اجلاس کے بعد ''پاکستان پیپلز پارٹی'' کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ ہی ایوب خان حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک کا آغاز کیا۔ خود اپنی پارٹی کے بانی اور چیئرمین بنے۔ مارچ 1969ء میں جنرل ایوب خان نے اقتدار جنرل، یحیٰ خان کے حوالے کر دیا۔ ان کی حکومت میں 1970ء میں ملک میں عام انتخابات کے نتیجے میں عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان اور پاکستان پیپلز پارٹی کو مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل ہوئی۔ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان ''چھ نکات'' پر مذاکرات ہوئے جو ناکام ہو گئے، اس لیے آپ نے صدر یحیٰ خان پر دباؤ ڈالا کہ 20 دن کے اندر اندر آئین بنانے کی شرط واپس لی جائے یا پھر مدت کو کھلا رکھا جائے۔ عوامی لیگ اس کے لیے تیار نہ ہوئی۔ چنانچہ تسادم ہوا اور اس کا بھرپور فائدہ بھارت نے اٹھایا۔ یوں سقوط مشرقی پاکستان کا المناک ترین سانحہ دسمبر 1970ء میں رونما ہوا۔ 20 دسمبر 1971ء کو آپ نے صدر کا عہدہ سنبھالا۔ لیکن اس سے قبل 7 دسمبر 1970ء کو جنگ کے نازک موقع پر صدر جنرل یحیٰ خان نے ایک قومی حکومت قائم کی جس میں مشرقی پاکستان سے واحد سیٹ جیتنے والے نور الامین کو وزیر اعظم اور ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان کا پہلا نائب وزیر اعظم اور دوسری بار وزیر خارجہ بنایا گیا تھا۔

16 دسمبر 1970ء کو پاکستان کو فوجی شکست سے دوچار ہونا پڑا اور مشرقی پاکستان پر بھارت کے قبضہ کے نتیجے میں بنگلہ دیش بن گیا تو جنرل یحیٰ خان کو 20 دسمبر 1971ء کو مجبورا! اپنے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کرنے پڑے تھے جو آئین کی عدم موجودگی کی وجہ سے تھے، اس طرح بھٹو غالباً عالمی تاریخ کے واحد سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے تھے، اس کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو کے پاس وزیر خارجہ، وزیر دفاع اور وزیر داخلہ کی وزارتوں کے قلمدان بھی تھے۔ 14 اپریل 1972ء کو پاکستان کی پہلی منتخب قومی اسمبلی نے حلف اٹھایا تو بھٹو کو 38 کے مقابلے میں 104 ووٹوں کی نمایاں اکثریت سے اسمبلی کے صدر یا اسپیکر منتخب ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

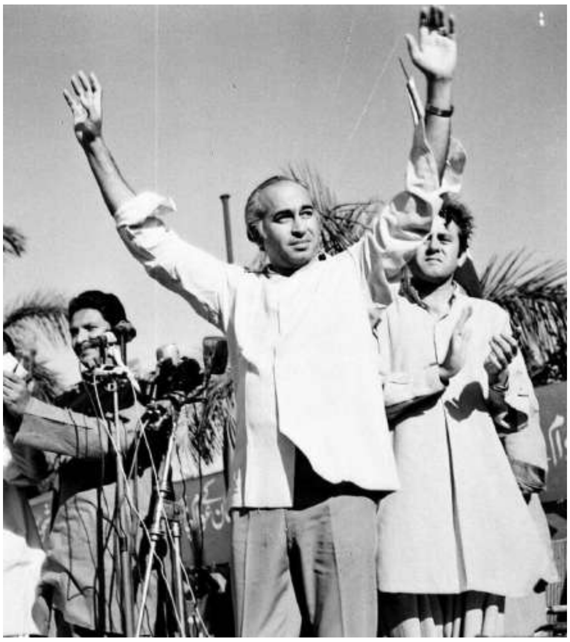

عبوری آئین کا نفاذ ہوا تو اس کے نتیجہ میں مارشل لاء ختم ہوا اور ذوالفقار علی بھٹو نے 21 اپریل 1972ء کو دوسری مرتبہ صدر پاکستان کے عہدہ کا حلف اٹھایا تھا۔ پاکستان کی تاریخ کا یہ پہلا موقع تھا جب کسی حکمران نے اپنے عہدہ کا حلف قومی زبان اردو میں اٹھایا تھا اور یہ واقعہ بھی پہلی بار ہوا تھا کہ کسی سرکاری عمارت کے بجائے ریس کورس راولپنڈی کے ایک عوامی اجتماع میں حلف اٹھایا گیا تھا۔ 14 اگست 1973ء کو پاکستان کا پہلا متفقہ آئین کا نفاذ ہوا تو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم کے عہدہ کا حلف اٹھایا، انہیں قومی اسمبلی میں 28 مقابلے میں 108 ووٹ ملے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو نہ صرف پاکستان کے مستقل آئین کے خالق تھے بلکہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی بھی تھے۔ انہوں نے جہاں شملہ معاہدہ میں میدان جنگ میں ہاری ہوئی جنگ جیتی تھی وہاں ہزاروں مربع میل مقبوضہ علاقہ واپس لینے کے علاوہ کسی پاکستانی فوجی افسر پر جنگی جرائم کے تحت مقدمہ بھی نہیں چلنے دیا تھا۔ 28 مارچ 1977ء کو بھٹو نے دوسری بار اپنے عہدہ کا حلف اٹھایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے وزیر خارجہ کے عہدہ پر اپنے نائب عزیز احمد کو نامزد کیا تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک وزیر خارجہ اپنے کا ریکارڈ بھٹو کے نام ہے جو کل پونے نو سال تک وزیر خارجہ رہے تھے۔

یاد رہے کہ ذوالفقار علی بھٹو ہی پاکستان کی تاریخ کی واحد شخصیت ہیں جنھوں نے پاکستان کے تین اعلیٰ ترین عہدوں صدر، وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے عہدوں کے حلف دو دو بار اٹھائے تھے، اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کروانے والے حکمران تھے۔ 5 جولائی 1977ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھال کر بھٹو کو نظر بند کر دیا۔ تو اس وقت وہ 37 اسلامی ممالک کے سربراہوں کی تنظیم کے سربراہ اور 77 ترقی پذیر ممالک یا تیسری دنیا کی تنظیم کے چیئرمین بھی تھے۔

3 ستمبر 1977ء کو پہلی مرتبہ گرفتار کیا گیا تھا لیکن دس روز بعد ضمانت ہوگئی۔ پھر 17 ستمبر 1977ء کو دوبارہ نواب محمد احمد خان جو کہ احمد رضا قصوری کے والدہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا۔ 18 مارچ 1978ء کو ہائی کورٹ نے بھٹو کو سزائے موت کا حکم سنایا جسے بعدازاں سپریم کورٹ نے بھی برقرار رکھا۔ 24 مارچ 1979ء سپریم کورٹ نے متفقہ طور پر نظر ثانی کی درخواست مسترد کر دی تھی۔ بھٹو نے رحم کی اپیل نہیں کی تھی لیکن دنیا بھر سے اپیلیں ہوئی تھیں۔ ترکی کی حکومت نے تو سیاسی پناہ تک دینے کی پیش کش بھی کی تھی اس سے بھٹو کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بالآخر 4 اپریل 1979ء کو راولپنڈی جیل میں بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ آپ کو لاڑکانہ کے آبائی گاؤں گڑھی خدا بخش میں سپرد خاک کیا گیا۔ ان کی میت پہلے جیکب آباد پھر وہاں سے بھٹو کے آگائی گاؤں گڑھی خدا بخش لاڑکانہ لائی گئی جہاں نماز جنازہ پڑھانے کے بعد سپرد خاک کر دیا گیا۔ یوں پاکستان میں سیاست کے ایک عظیم دور کا اختتام ہو گیا۔ خدا ذوالفقار علی بھٹو کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

■

سندھ میں تعلیم کے فروغ میں اہم شخصیات کا کردار

عامر حسین

1900ء تک مسلمانانِ سندھ کی تعلیمی حالت یہ تھی کہ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق مسلمان طلبہ کی تعداد صرف پینتیس ہزار تھی جن میں صرف ساڑھے پانچ سوثانوی سکولوں میں پڑھ رہے تھے جب کہ ڈی جے کالج میں صرف سات مسلمان طلبہ زیرِ تعلیم تھے جنہیں سر علی مراد اسکالرشپ یا وظیفہ مل رہا تھا۔

1900ء میں حیدر آباد سندھ میں ہائی اسکول کے طلبہ کی تعداد تقریباً دو سو تھی جن میں صرف دس فی صد مسلمان تھے۔ اس وقت شکارپور میں کوئی پچاس طلبہ ثانوی تعلیم پا رہے تھے۔ 1905ء میں ریاست خیرپور کے حکمران میر علی نواز تالپور کی سرپرستی میں 60 سرکاری اسکول تھے جن میں دو ہزار بچے زیرِ تعلیم تھے جب کہ امدادی اسکولوں کی تعداد 33 تھی جن میں آٹھ سو سے زیادہ بچے پڑھ رہے تھے۔

یہ عہد حاضر میں سندھ کے اندر تعلیم کی شروعات اور تعلیمی اداروں کے قیام کی مختصر تاریخ تھی۔ اس پس منظر کے بعد اب ہم سندھ کی کچھ اہم شخصیات کا ذکر کریں گے جنہوں نے اس ضمن میں بہت زیادہ خدمات انجام دیں، جو اصل میں شعور کو فروغ دینے والے اصل ہیرو زہیں۔

مولوی صالح محمد:

1898ء کی ایک رپورٹ میں ایک اور بزرگ مولوی صالح محمد کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے ضلع ٹھٹہ کے علاقے جھرک میں تعلیم پھیلانے کا کام کیا اور آٹھ اسکول قائم کیے۔

یہ بھی داد محمد کی طرز پر کئی اسکول چلاتے تھے جو ایسی جھونپڑیوں میں قائم کیے گئے تھے جو ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر ہوں۔ چھوٹے چھوٹے جھونپڑیوں کے جھنڈ میں قائم یہ اسکول سندھی کورس کی کتابیں اور قرآن پڑھاتے تھے۔

کے بی غلام رسول جتوئی:

جتوئی صاحب حیدرآباد میں ڈپٹی انسپکٹر اسکولز تھے جن کے اسکول تعلقہ مورو میں قائم کیے گئے۔ ان کے ساتھ سید اسداللہ دربیلو والے تھے جنہوں نے دربیلہ خاص اور نوشیرو تعلقے کے دیگر مقامات پر دیہاتوں میں اسکول قائم کیے۔

حسن علی آفندی اور مدرسہ تحریک:

حسن علی آفندی ایک عظیم انسان تھے جنہوں نے جدید تعلیم کی توسیع کے لیے خاصا کام کیا۔1885ء میں حسن علی آفندی نے علی گڑھ کا سفر کر کے سر سید احمد خان سے ملاقات کی اور پھر علی گڑھ تحریک کی پیروی کرتے ہوئے 'سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن' کے قائم کردہ سندھ مدرسہ بورڈ کے تحت سندھ مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی۔ اس ایسوسی ایشن کے قیام کا فیصلہ جسٹس امیر علی کے دورہ سندھ کے موقع پر کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر حبیب اللہ صدیقی نے اپنی کتاب ''ایجوکیشن ان سندھ : پاسٹ اینڈ پرسنٹ'' مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی (2006ء) میں تفصیل سے اس دور کا ذکر کیا ہے۔

حسن علی آفندی سر سید احمد خان سے تیرہ برس چھوٹے تھے۔ 1830ء میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ سال کی عمر پا کر 1895ء میں فوت ہوئے۔ حسن علی آفندی کی ولادت حیدرآباد سندھ میں ہوئی اور انہوں نے نوشہرو فیروز میں ڈپٹی کلکٹر کے دفتر میں منشی گری سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ انہوں نے اسی دوران انگریزی، سندھی، عربی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ اس کے بعد ایک کلرک کے طور پر کوٹری میں واقع ایک اسٹیم کمپنی میں ملازم ہوگئے۔ ازاں بعد عدالتی کلرک کے طور پر ملازم ہوئے اور ساتھ ہی قانون کی تعلیم مکمل کر کے وکالت شروع کردی اور غالباً وہ سندھ کے پہلے مسلم وکیل تھے۔ جب کہ ہندو وکیل دیارام جیٹھ مل اور اودھارام مول چند پہلے ہی وکالت کر رہے تھے۔ 1881ء میں حسن علی آفندی کراچی

میونسپلٹی کے کونسلر منتخب ہوئے اور اس کے بعد تین چار سال کے عرصے میں ہی کراچی میں محمڈن ایسوسی ایشن کی شاخ قائم کی۔

سندھ مدرسہ بورڈ کے پہلے صدر حسن علی آفندی اور نائب صدر خان بہادر نجم الدین تھے جب کہ ارکان میں سیٹھ علی بھائی کریم جی، سیٹھ غلام حسین چھاگلہ، سیٹھ صالح محمد ڈوسل اور غلام حسین خالق دینا وغیرہ شامل تھے۔1890ء میں سندھ مدرسہ کے دو شعبے تھے ایک انگریزی اور دوسرے کا تعلق مقامی زبانوں کی تعلیم سے تھا، جس میں چوتھی

تر مسلم تھے۔ہندو طلبہ دس فی صد سے بھی کم تھے۔غالباً اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کا پورا نام 'سندھ مدرستہ الاسلام' تھا۔اس زمانے میں میٹرک کا امتحان بمبئی یونی ورسٹی کے زیرِ اہتمام ہوتا تھا۔گجراتی پڑھنے والوں میں ہندو اور مسلم دونوں تھے جن میں خوجے، بوہرے اور میمن ذاتوں سے تعلق رکھنے والے زیادہ تھے۔

اڈوانی برادران:

ڈاکٹر حبیب اللہ صدیقی نے اپنی کتاب میں 'اڈوانی برادران' کا تفصیلی ذکر کیا ہے جنھوں نے سندھ میں تعلیم

جماعت تک سندھی، گجراتی اور اردو کی تعلیم دی جاتی تھی،اس کے بعد خواہش مند طلبہ انگریزی شعبے میں منتقل ہو جاتے تھے۔

گو کہ سندھ مدرسہ ہائی اسکول تھا لیکن پرائمری اور مڈل کے بعد بہت سے بچے تعلیم منقطع کر دیتے تھے۔خاص طور پر کاروباری لوگ بچوں کو تعلیم سے ہٹا کر کاروبار میں لگا دیتے۔1900ء تک مدرسے میں بچوں کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی جن میں کراچی کے طلبہ کی اکثریت تھی جو زیادہ

کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ان میں سے پہلا نام دیوان نول رائے اڈوانی کا ہے جو 1948ء میں پیدا ہوئے اور صرف پینتالیس سال کی عمر میں (1993ء) میں ہی وفات پاگئے۔لیکن اس مختصر عمر میں بہت سے سماجی کام کیے۔تعلیم کے علاوہ حیدر آباد کا مشہور 'لیڈی ڈفرن' ہسپتال انہوں نے اپنے نجی سرمائے سے تعمیر کیا تھا۔دوسرے بھائی رائے بہادر تارا چند اڈوانی تھے جو 1850ء سے 1938ء تک اٹھاسی برس جیے۔انہوں نے سدھار سبھا بنا کر لڑکیوں کے کئی اسکول

قائم کیے۔ ان دونوں بھائیوں نے خواتین کے لیے تربیتی مراکز بھی قائم کیے۔ ان کے تیسرے بھائی سوامی سادھو ھیرا نند شوکی رام تھے جنہوں نے 1863ء سے 1893ء تک صرف تیس برس کی عمر پائی لیکن اپنے بھائیوں کے ساتھ تعلیم کے فروغ کے لیے سندھ میں خاصا کام کیا۔ انہوں نے 'یونین اکیڈمی اسکول، حیدرآباد' قائم کیا اور بگڑے بچوں کو سدھارنے کا بیڑا اٹھایا۔ بعد میں اسی اسکول کا نام 'نول رائے ھیرا نند اکیڈمی' کردیا گیا جواب 'گورنمنٹ ہائی اسکول نمبر 1، حیدرآباد' کہلاتا ہے۔ پہلے اور تیسرے بھائی کم عمری میں طاعون کی وبا میں وفات پائے اور منجھلے بھائی نے طویل عمر پائی جو فارسی کے استاد بھی بنے اور تعلیم کے لیے بہت کام کیا۔ لڑکوں کے تربیتی کالج کے نائب پرنسپل بھی رہے۔

اخوند داد محمد:

اخوند داد محمد نے سندھ کے کوہستانی علاقوں میں تعلیمِ بالغان کی توسیع کے لیے خاصا کام کیا جن کے حوالے ہمیں سرکاری رپورٹوں میں ملتے ہیں۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی 'کمال یار جنگ تعلیمی رپورٹ' مطبوعہ 1944ء میں اخوند داد محمد کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اخوند داد محمد ضلع کراچی کے ویران کوہستانی علاقوں میں بڑی تعداد میں 'سفری اسکول' قائم کرچکے ہیں جن میں بڑی تعداد میں پہاڑی قبیلوں کے خانہ بدوش لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ چوں کہ یہ لوگ مستقل کہیں نہیں رہتے تھے اس لیے سفری اسکول اُن کو جگہ جگہ تعلیمی خدمات فراہم کرتے تھے۔

ناظم تعلیمات بمبئی کی رپورٹوں میں بھی درج ہے کہ اخوند داد محمد نے 'تعلیم بالغان تحریک' 1872ء میں ایک گاؤں مصری جاکھریو سے صرف ایک مدرسے کے ساتھ شروع کی جہاں سندھی زبان لکھنے پڑھنے کے ساتھ قرآن کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ جو لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے اُن پر لازم تھا کہ وہ رضاکارانہ طور پر دیگر لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ پھر انہیں برائے نام نذرانہ بھی دیا جانے لگا۔ صرف بیس سال میں ان اسکولوں کی تعداد تینتیس تک پہنچ گئی جن میں تقریباً دو ہزار طلبہ پڑھتے تھے جو زیادہ تر جوکھیو قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ سب ویران اور سنگ لاخ علاقوں میں رہتے تھے۔ 1900ء تک ان اسکولوں کی تعداد 50 تک پہنچ گئی تھی۔ (جاری ہے) ■

حاکمِ سندھ

میاں نور محمد کلہوڑو کا وصیت نامہ

مرزا کاظم رضا بیگ

میاں نور محمد کلہوڑو، جن کو مغل تاریخ نویسوں اور واقعہ نگاروں نے خدایار خان عباسی کے نام سے یاد کیا ہے، اپنے والد میاں یار محمد خان کلہوڑو کی وفات کے بعد 11 محرم الحرام سنہ 1122ھ کو تخت نشین ہوئے اور سندھ کی حکومت سنبھالی۔ وہ انتہائی نیک دل، نیک سیرت اور رحمدل حکمران تھے۔ ان کے دل میں اسلام کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ان تاریخی اعتبار سے یہ کارنامہ سندھ کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا کہ انہوں نے سندھ سے تمام شورشوں، بغاوتوں اور سازشوں کو ختم کیا، اور رعایا کو آرام و اطمینان سے زندگی گزارنے کی سہولت بہم پہنچائی۔ سندھ میں ان کا دورِ حکومت خاصا طویل رہا ہے۔

میاں نور محمد سنہ 1122ھ سے سنہ 1167ھ تک سندھ کا انتظام و انصرام انتہائی حسن و خوبی سے چلاتے رہے۔ وہ 4 محرم الحرام سنہ 1167ھ کو تلہار سے ہوتے ہوئے جیسلمیر جا رہے تھے کہ راستہ میں خناق کا عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ 16 صفر سنہ 1167 کو انتقال کر گئے کہ ان کے بیٹوں کے نام یہ تھے۔ میاں مراد یاب خان، میاں عطر خان، میاں خداداد خان، میاں احمد یارو خان، میاں غلام شاہ، میاں غلام نبی اور میاں عبدالنبی ہیں۔ میاں نور محمد کلہوڑو نے اپنی وفات سے کچھ عرصے پہلے اپنے بیٹوں کیلئے ایک وصیت نامہ مرتب کیا تھا اور انکو نصیحت

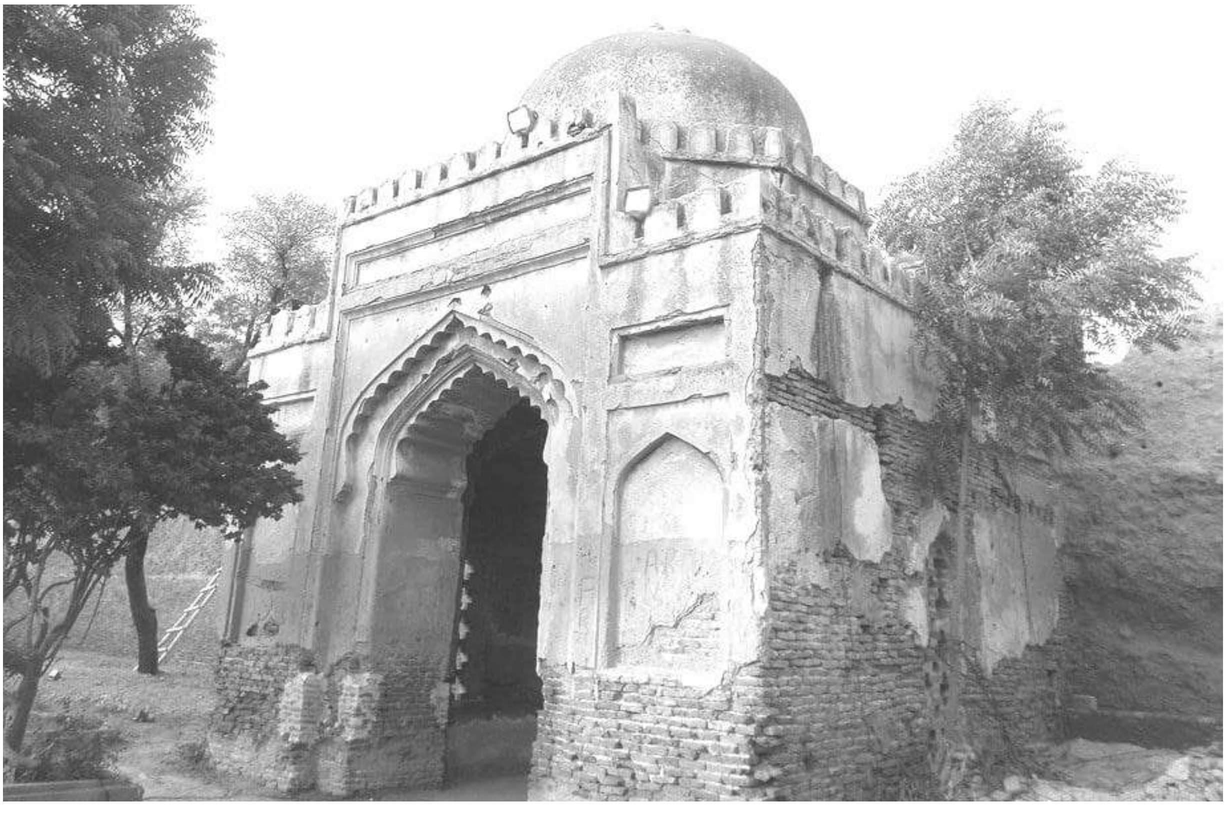

کی تھی کہ وہ حکومت کے مسئلہ پر آپس میں لڑنے جھگڑنے کے بجائے، کلی اتحاد اور اتفاق سے کام لیں اور میاں مرادیاب خان کو اپنا قائد اور سردار تسلیم کرلیں۔

میاں نور محمد کلہوڑو کی وصیت نامہ (فارسی) کے بعض حصوں کا مفہوم ومنشایہ ہے: اس گنہگار، بے بضاعت اور بے اطاعت کے دل میں محبت پدری اور فرزندی کے سبب سے چند خیالات دل میں گزرے کہ عمر عزیز ختم ہورہی ہے اور علامات قیامت روز بروز نمایاں ہورہی ہیں، اور زمانہ آخر ہے، بس مناسب ہے کہ برخورداران کامگاران کو زمانے کے نشیب وفراز سمجھائے جائیں۔ تاکہ وہ ان سے آگاہ ہوکر اس دلیل سے دل سرد کریں اور بارگارہ الہٰی کی طرف متوجہ ہوں:

عبادات کی تلقین: میرے کامگارو! ہر وقت اور ہر حال میں اس درگاہ بے نیاز کا نیاز مند ہونا چاہئے اور آدھی رات کی بیداری کی عادت ڈالو۔۔۔اور کسی وقت خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

تلاوت قرآن مجید: تلاوت قرآن مجید اگر زیادہ کی جائے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں، ورنہ ایک قرآن بلاناغہ ہر ماہ تم میں سے ہر ایک کو پڑھنا چاہئے، بس اولیٰ وافضل تمام اذکار میں تلاوت قرآن مجید اور افضل البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہے جسے تمہیں اختیار کرنا چاہئے۔

اہلبیت کی محبت: اہلبیت کی محبت ہمیشہ اور ہر وقت یکساں ہونی چاہئے، اور ذوالقربیٰ کی محبت فرض عین اور عین فرض ہے۔

مقدمات کے متعلق وصیت: اگر مقدمہ اہل اسلام کا ہو تو ایسے مقدمات میں علماء کی طرف رجوع کریں، وہ جو شریعت شریفہ کے مطابق فتویٰ دیں اس پر عمل کریں اور مسلمانوں کے مقدمے کے سوا اگر دوسروں کا مقدمہ پیش ہو تو اس کی سزا میں مثلاً ہاتھ کاٹنے اور کان کاٹنے میں جلدی نہ کریں (بلکہ سزا دینے سے پہلے اس پر خوب غور کرلیں) کہ حق دہر میں ظاہر ہوتا ہے۔

علماء وصلحاء کی محبت: جب دنیاوی کام سے فارغ ہوں تو علماء اور صلحاء کے ساتھ صحبت کا وقت مقرر کریں اور ہمیشہ عوام کے ساتھ بیٹھنا بازار ہونے کا طریقہ ہے، اور ہمیشہ خلوت میں رہنا درویشوں کا طریقہ ہے۔

رضامندی شرفاء: نیکوں اور شرفا کی رضامندی کو اپنے لئے لازم جانیں۔

کسر نفسی: خدا کی تمام مخلوق کو بہتر جانو۔۔۔اور اپنے اپ کو خاک سے کمتر سمجھو۔۔۔ جب کسی طرف سے کوئی ہیبت ناک حالات ظاہر ہوں تو استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

حقوق: اول غربا، مسکینوں، یتیموں، مظلوموں کا حق (بادشاہ) کی گردن پر عائد ہوتا ہے اور شب و روز ملک کی حفاظت اور دوست ودشمن کی فکر اسے ہوتی ہے۔

یاد مرگ: اور نیز انسان کو چاہئے کہ حشر تک کے دن اور اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے۔

اپنی حالت: اور خود اس گناہ گار کا یہ حال ہے کہ اگر میں حلال خور کو دیکھتا ہوں، قسم ہے اس ذات پاک بے نیاز کی کہ اس حلال خور کو اپنے سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس نے میری طرح گناہ نہیں کئے ہوں گے۔

عیاشی کی خرابیاں: اور عیش وعشرت کو اپنا شعار نہ بنائیں کہ آرام سراسر غفلت ہے اور عیش آدمی کو یاد حق سے دور کردیتا ہے، اور ملک کی فلاح و بہبود پر غور فکر ہر ملک والے کے لئے لازم ہے۔

روزہ، نماز، کی تاکید: اور روزہ ونماز اور زکوۃ میں ہمیشہ شب وروز مشغول رہیں:۔

روز محشر کی جان گداز بود
اولین پرسش نماز بود

کہ ہم مسلمانوں اور کافروں میں ہی روزہ، نماز اور زکوہ کا فرق ہے۔

چہار مذہب: اور چاروں مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی،

حنبلی) کو حق جانو، لیکن چونکہ ہمارے بزرگ مذہب امام ابو حنیفہ کے مقلد تھے، اس لئے تم بھی وہ مذہب اختیار کرو۔

سلسلۂ طریقت: چودہ (تصوف) کے خانوادوں میں سے ہمارے بزرگ سلسلۂ سہروردیہ کے مرید ہیں، سید میران محمد جونپوری کہ ہمارے پیرومرشد ہیں، وہ بھی اسی طریقت میں تھے۔

نظام مملکت: نظام مملکت کے سلسلے میں میاں نور محمد کلہوڑو نے اپنے فرزندوں کو حسب ذیل وصیتیں کیں۔

ولیعہدی: اور تم برخورداروں پر لازم ہے کہ اپنے اسلاف کے طریقے کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون کے موجب نور چشم محمد مرادیاب خان کی سرداری کو قبول کریں۔

اگر حق سبحانہ تعالیٰ سیدالسادات علیہ افضل الصلواۃ و اکمل التحمات کے تصدق سے اس گہنگار کی زندگی میں اس کو لے آیا تو میں تم بھائیوں کو یک جا بٹھا کر جو کچھ کہنا ہے کہوں گا، اگر میری حیات کے بعد خدا اس کو لائے تو نور چشم محمد مرادیاب خان کو ہماری بجائے اپنا مستقل سردار جان کر کسی باب میں اس کے حکم اور مشورے سے انحراف نہ کریں۔

زمینداران سندھ کے متعلق وصیت: زمینداران سندھ کے متعلق وصیت کرتے ہوئے لکھا کہ، جو سندھ کے زمیندار ہیں، ان کے ملک کو خدائے تعالیٰ نے بتصدق رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم گنہگاروں پر رحم فرما کر (اس کی حکومت) ہمارے حوالے کی ہے، ان کے جو معمول ہم نے مقرر کئے ہیں، اس میں تفاوت کی بددعا بہت اثر رکھتی ہے، اور جلد قبول ہوتی ہے۔

جاگیرات کا انتظام: میاں نور محمد خان کلہوڑو نے میاں محمد مرادیاب کی ولی عہدی کے ساتھ اپنے دوسرے صاحبزادوں کے گزارے کیلئے بھی مختلف پرگنے مقرر کئے تاکہ بعد میں ان میں اختلاف و افتراق نہ ہو۔ چنانچہ اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ: میں نے زمین کے اس ٹکڑے کو کہ خدائے تعالیٰ نے بطفیل رسول مقبول علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات اس گنہگار کو عطا کی تھی ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کر دی ہے، تاکہ تم میں سے ہر ایک اپنے حصّے پر قابض و متصرف ہو۔

(1) پرگنۂ لاکھاوٹ جو سرکار سیوستان میں ہے، اور پرگنہ لدہ گاگن مع روہڑی کے جو سرزمین لدہ گاگن میں ہے نور چشم راحت خان خداداد خان کو دی۔

(2) پرگنہ گاگری اور پرگنۂ الور جو سرکار بکھر میں ہے نور دیدہ لخت جگر عطر خان کو دی۔

جنوری 2023ء

(3) ضلع شہداد پور جو سرکار نصرپور میں ہے اور پرگنہٗ ماتھیلہ جو سرکار بکھر میں واقع ہے، نوردیدہ احمد یار خان کو دی۔

(4) سوائے پرگنات مذکور کے جو اس گنہگار کے قبضے میں ہیں،ان کا مالک میری زندگی میں اور میرے بعد نور چشم محمد مراد یاب ہوگا۔

(5) منصف پرگنہ کنڈیارو اور نصف تپہٗ رانی پور اور منصف پرگنہٗ باغبان،اور دسواں حصّہ کا 6اور چوتھا حصّہ موضع فتح پور جو میرے برادر مرحوم و مغفور محمد خان کے پاس تھے،اس کے بعد وہ نور چشمی فضل علی فرزند محمد خان کو دیئے گئے۔

(6) برخوردار غلام نبی و عبدالبنی خرد سال ہیں،اور تمہارے بھائی اور تمہارے فرزندوں کی جگہ ہیں۔پرگنہ جنیجہ مع وچولہ میں نے ان دونوں برخورداروں کو دیا۔

(7) برخوردار غلام شاہ کو مختلف پرگنوں سے مختلف حصّے دیئے گئے۔

(8) جو فصلانہ اور یومیہ تمہارے ماؤں کیلئے مقرر ہے،اس میں فرق نہ آئے۔

(9)جو فصلانہ مرحوم مغفور غلام حسین کی عین حیات میں اس کے فرزندوں کو دیا جائے،اس میں فرق نہ آنا چاہئے۔

ہندو میر منشیوں کے متعلق وصیت: پیشی کے میر منشیوں کے متعلق وصیت کی ہے کہ:پیشی میں ہندو محرّر ہرگزنہ رکھیں کہ بعض جگہ لکھنے پڑھنے کے موقع پر احادیث اور قرآن مجید کی آیتیں لکھنی پڑتی ہیں،اور یہ احادیث اور قرآن مجید کی لکھنے میں عاجز ہوتے ہیں،اس لئے ان کو اس عہدے کے علاوہ لکھنے پڑھنے اور حساب کتاب کے دوسرے عہدوں پر لگانا چاہئے۔

خاتمہ: میاں نور محمد نے اس وصیت نامے کو،اس وصیت پر ختم کیا ہے کہ:اور اہل اللہ کی ملاقات سے غافل نہ ہوں کہ اہل اللہ کی ملاقات کیمیا ہے۔

یہ وصیت نامہ کلہوڑا حکمرانوں کی تاریخ میں اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے ان کے نظام حکمرانی پر روشنی پڑتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح لوگوں پر حکومت کرتے تھے،اور عوام میں ان کو کیوں مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔یہ وصیت نامہ بلاشبہ ایک ایسا سیاسی منشور ہے،جس کو سندھ میں اسلامی نظام کے نفاذ کی ابتدائی کوشش کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کیونکہ میاں نور محمد خان کلہوڑو نے اپنی پوری زندگی اسلامی سانچے میں ڈھال لی تھی اور اپنی رعایا کو بھی اسی سانچے میں ڈھلا دیکھنا چاہتے تھے۔کہ ہم مسلمانوں اور کافروں میں،ہی روزہ، نماز اور زکوہ کا فرق ہے۔

■

ماہنامہ اظہار کراچی

تمباکو نوشی پر پابندی کے قوانین سخت کرنے کی ضرورت

یسریٰ سلیم

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں ایک سال میں سات ملین سے زائد افراد تمباکو نوشی کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ طبّی ماہرین کا کہنا ہے کہ نوجوان نسل میں تمباکو نوشی کا رجحان کافی زیادہ بڑھ رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق سگریٹ پینے والا صرف خود کو ہی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ اس کا دھواں دوسرے افراد کو بھی متاثر کرتا ہے جس سے امراض قلب، پھیپھڑوں کا سرطان سمیت کئی مرض جنم لیتے ہیں۔ کچھ تمباکو نوشی کرنے والے افراد کا دعویٰ ہے کہ وہ دباؤ کی وجہ سے اس عارضے میں مبتلا ہو چکے ہیں اور سگریٹ کے دو کش لگانے سے انہیں کافی راحت ملتی ہے۔

ان دعوؤں کو غلط ٹھہراتے ہوئے ماہر نفسیات ڈاکٹر جنید نبی کا کہنا ہے کہ یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں۔ ہر کوئی تمباکو نوشی نہیں کرتا۔ میں یہاں تو کہوں گا یہ سب بہانے ہیں اور کچھ نہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ 'اگر کسی کو سچ میں اس لت سے دوری اختیار کرنے میں دلچسپی ہے تو وہ ماہرین سے رابطہ کریں۔ دباؤ کا بہانہ بنا کر خود کی کمزور ظاہر نہ کریں۔

سگریٹ کے فائدے بہت کم ہیں اور نقصان بہت زیادہ۔ اس کا سب سے بڑا فائد ہو دکھایا جاتا ہے تو یہ ہے کہ اسے کوئی کمزور آدمی پی ہی نہیں سکتا۔ مطلب یہ کہ جو بھی

اسے پتا ہے وہ بڑا بہادر اور 'ماچو' قسم کا شخص ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس چیز کو ہاتھ لگائے جس میں آرسینک ایک خطرناک زہر جو کیڑے مار دوائیوں میں استعمال کیا جاتا ہے، سائنائڈ تامل ٹائیگر خود کشی کے لئے ہر وقت اس کا تعویز گلے میں رکھتے ہیں اور یہ صنعتی فضلے کا حصہ بھی ہے، کیڈ میئم ایک زہریلا مواد جو بیٹریوں میں پایا جاتا ہے، ایسیٹون (جسے ناخنوں سے نیل پالش اتارنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور فارملڈ یہائڈ زہریلا مادہ جو مردہ جسموں کو محفوظ رکھنے کے کام آتا ہے موجود ہے۔

فہرست بڑی لمبی ہے لیکن مختصر یہ کہ ایک سگریٹ بنانے میں سینکڑوں کیمیکلز استعمال ہوتے ہیں اور یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اصل میں اس کا سب سے دلچسپ کیمیکل وہ ہے جس کا ذکر آخر میں آیا ہے یعنی فارملڈ یہائڈ۔ سچ تو ہے یہ مردہ جسموں کو محفوظ کرنے کے کام آتا ہے۔ اس کے بڑے نقصانات صرف اور صرف تین ہیں۔ پہلا یہ جسم میں ایک مادہ پھینک دیتا ہے جسے ٹار کہتے ہیں، دوسرا کاربن مونو آکسائڈ گیس اور تیسرا نکوٹین۔

ٹار کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ انگلیاں اور دانت گندے کر دیتی ہے اور انسان ذرا 'پیلا' پڑ جاتا ہے۔ اس کے نسبتاً کم نقصانات میں اس کا ستر فیصد پھیپھڑوں میں بیٹھے رہنا ہے جس سے کینسر کا خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ اسی طرح کاربن مونو آکسائڈ گیس جسم میں پندرہ فیصد تک آکسیجن میں کمی لا سکتی ہے جس سے پھیپھڑوں کی کارکردگی متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔

تیسرا نقصان سگریٹ میں نکوٹین کی موجودگی ہے۔ کہتے ہیں کہ کرۂ عرض پر اس سے زیادہ نشہ آور چیز کوئی اور ہے ہی نہیں۔ جو کہ اس کے خلاف کم اور فائدے میں زیادہ جاتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ سگریٹ نوش نکوٹین کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ اسے پیئے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ جب ایک سگریٹ نوش ایک کش لیتا ہے صرف سات سیکنڈ میں نکوٹین اس کے دماغ پر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتی ہے۔ دوسرا اس سے دل کی دھڑکن اور بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور میٹابولزم یعنی خوراک کے جزوِ بدن ہونے کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹروں کے پاس تو ایک لمبی فہرست ہے جسے تقریباً ہر سگریٹ پینے والا مکمل رد کر دیتا ہے۔ لیکن ریکارڈ کے لئے اس کا ذکر ضروری ہے۔ اس میں ناک اور منہ کا کینسر، پھیپھڑے، گردے، معدے، گلے، لبلبے اور مثانے کا کینسر، دل کا دورہ، فالج، نظر کی خرابی اور گینگرین یعنی جسم کے کسی حصے میں گوشت کا سڑنا یا ناسور بننا شامل ہے۔ میرے دوست ان چیزوں کو نہیں مانتے کیونکہ انہیں تو ایسا ہوا ہی نہیں اور جب تک خود تجربہ نہیں ہوتا کوئی کب مانتا ہے۔ ورنہ یہ دنیا تاریخ سے ہی سبق نہ لے لیتی۔

سگریٹ عام طور پر نکوٹین اور پروپائلین گلائیکول کے علاوہ سبزیوں کی گلیسرین پر مشتمل محلول کو گرم کرتے ہیں۔ استعمال کرنے والے اس کے بخارات کھینچتا ہے جس میں نکوٹین بھی ہوتی ہے جو کہ سگریٹوں میں نشے کا عنصر ہوتا ہے۔ لیکن نکوٹین تمباکو کے دھوئیں میں شامل متعدد زہریلے کیمیکلز جیسے کہ ٹار اور کاربن مونو آکسائیڈ کے مقابلے میں نسبتاً کم نقصان دہ ہے۔

عام سگریٹوں میں موجود تمباکو سے ہر سال تمباکو نوشی کرنے والے ہزاروں افراد ہلاک ہو جاتے ہیں مگر تمباکو کے برعکس نکوٹین کینسر کا باعث نہیں بنتی۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک اب کئی سالوں سے خصوصی چیونگ گم، سکن پیچ اور سپرے کی شکل میں نکوٹین کی متبادل تھیراپی کو لوگوں کو تمباکو نوشی روکنے میں مدد دینے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

آزادانہ طور پر کیے گئے ایک جائزے کے مطابق ای سگریٹ تمباکو نوشی کے مقابلے میں 95 فیصد کم نقصان دہ ہے۔ جائزہ رپورٹ تحریر کرنے والی پروفیسر این میک نیل کہتی ہیں کہ ای سگریٹس عوامی صحت کے لیے ایک ''گیم چینجر'' ثابت ہو سکتے ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں

کہ یہ مکمل طور پر خطرے سے خالی ہیں۔ ای سگریٹ میں مائع اور بھاپ کے دھوئیں میں بھلے ہی بہت کم سطح پر مگر ممکنہ طور پر نقصان دہ کیمیکل شامل ہو سکتے ہیں۔

لیبارٹری میں کیے جانے والے ایک ابتدائی مطالعے میں برطانوی سائنس دانوں کو پتہ چلا کہ بخارات پھیپھڑوں کی مدافعتی خلیوں کو تبدیل کر سکتی ہے۔ اگرچہ ان بخارات کی وجہ سے صحت پر پڑنے والے ممکنہ اثرات کے بارے میں کی جانے والی تحقیق ابتدائی ہے لیکن ماہرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ سگریٹ کے مقابلے میں کم نقصان دہ ہیں۔ عالمی میگزین میں شائع ہونے والی اس رپورٹ میں بتایا گیا کہ ادھیڑ عمر کے 100 افراد پر کی گئی تحقیق کے مطابق دن میں بیس سگریٹ پینے والوں کو سات دل کے دورے یا فالج کا حملہ ہو سکتا ہے۔

لیکن اگر وہ اپنی سگریٹ نوشی کی تعداد کم کر کے دن میں صرف ایک سگریٹ نوش کریں تب بھی ان کو تین دل کے دورے پڑنے کا خطرہ ہو گا۔ محققین کے مطابق دن میں ایک سگریٹ پینے والوں میں دل کی شریان سے متعلق امراض ہونے کے 48 فیصد زیادہ امکان ہوتے ہیں جبکہ سگریٹ نہ پینے والوں کے مقابلے میں ایک سگریٹ پینے والوں میں 25 فیصد پر فالج کا حملہ ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔

کئی ممالک میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ سگریٹ نوشی کم کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بہتری آئے گی اور یہ کینسر کے معاملے میں درست ہے لیکن دیگر بیماریوں کے حوالے سے ایسا نہیں ہے۔ دل کے امراض اور فالج کے خطرے کو کم کرنے کے لیے سگریٹ نوشی مکمل طور پر چھوڑنا ضروری ہے۔

سگریٹ نوشی سے ہونے والا نقصان چند برسوں میں ہو جاتا ہے جس کے اثرات عمر بھر رہتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ اچھی بات یہ ہے کہ سگریٹ نوشی چھوڑنے کی صورت میں دل کے امراض ہونے کے امکانات

میں تیزی سے کمی دیکھنے میں آتی ہے۔

ایک بات تو واضح ہے کہ گزشتہ دس برس کے دوران دنیا بھر میں تمباکو نوشی پر پابندی کے قوانین متعارف کروانے میں اضافہ ہوا ہے۔ انگلینڈ نے دوسروں کو دیکھ کر یہ پابندی لاگو کی تھی۔ اس سے قبل آئرلینڈ، امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا بھی اس حوالے سے قانون سازی کر چکے تھے۔ لیکن گزشتہ دس برسوں کے دوران اس حوالے سے مزید قانون سازی بھی ہوئی ہے اور اب اکثر برطانیہ اس میں سرفرست نظر آتا ہے۔ تمباکو نوشی کرنے کے لیے عمر کی حد سولہ سے بڑھا کر اٹھارہ کر دی گئی ہے جبکہ دوکانوں میں بھی اب سگریٹ سامنے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس پابندی نے ایک مثبت سلسلے کا آغاز کیا ہے۔ ایک نئے مطالعے سے پتا چلا ہے کہ ہر دس اموات میں سے ایک کی وجہ سگریٹ نوشی ہوتی ہے اور ان مرنے والوں میں سے نصف کا تعلق صرف چار ممالک چین، انڈیا امریکہ اور روس سے ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ شرح اموات میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے کیونکہ تمباکو سازی کی کمپنیاں ترقی پذیر ممالک میں اپنا کاروبار بڑھا رہی ہیں۔ 25 سال کے عرصے میں برازیل میں یومیہ سگریٹ نوشوں کی تعداد کا تناسب مردوں میں 29 فیصد سے کم ہو کر 12 فیصد ہو گیا۔ جبکہ خواتین میں 19 فیصد سے آٹھ فیصد پر آیا۔

■

مختلف قسم کے کینسر اور ان کی علامات

محمد سلمان

کینسر ہمارے خلیوں میں شروع ہوتا ہے۔ کینسر اب لاعلاج مرض نہیں مگر اس کا علاج انتہائی تکلیف دہ ضرور ہوتا ہے جبکہ ایک مخصوص اسٹیج پر کوئی دوا کارآمد ثابت نہیں ہوتی۔ کینسر کی متعدد علامات اس مرض کے مختلف مراحل میں سامنے آتی رہتی ہیں۔ عام طور پر ہمارے پاس ہر قسم کے سیل کی صحیح تعداد ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیے کتنے اور کتنی بار تقسیم ہوتے ہیں اس کو کنٹرول کرنے کے لیے سگنلز پیدا کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی سگنل ناقص یا غائب ہے تو، خلیات بڑھنا شروع کر سکتے ہیں اور بہت زیادہ بڑھ سکتے ہیں اور ایک گانٹھ بن سکتے ہیں جسے ٹیومر کہتے ہیں۔

جلد پر کوئی نیا نشان یا اس کے حجم، ساخت یا رنگت میں تبدیلی جلد کے کینسر کی علامت ہو سکتی ہے، ایک اور علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ نشان جسم کے دیگر نشانوں سے بالکل مختلف ہو، اگر ایسا کوئی غیر معمولی نشان نظر آئے تو ڈاکٹر سے چیک اپ کروالیں۔

اگر آپ تمباکو نوشی نہیں کرتے تو اس بات کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں کہ مسلسل کھانسی کینسر کی علامت ہو سکتی ہے، اکثر یہ دمہ، معدے میں تیزابیت یا کسی انفیکشن کا نتیجہ ہو سکتی ہے، تاہم اگر یہ چند دنوں میں ختم نہیں ہوتی یا کھانسی کے ساتھ خون آنے لگتا ہے خصوصاً اگر آپ تمباکو نوشی کرتے ہیں، تو فوری ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

یہ چھوٹے بیج کی شکل کے گلینڈ گردن، بغلوں اور جسم کے مختلف حصوں میں ہوتے ہیں، جب وہ سوجن کا شکار ہوں تو اس کی وجہ اکثر نزلہ زکام یا گلے کی تکلیف جیسے انفیکشن کا

سامنا ہوتا ہے، مگر مختلف اقسام کے کینسر جیسے لیوکیمیا اور لمفائی بافتوں کے کینسر بھی اس سوجن کا باعث بنتے ہیں، اس حوالے سے ڈاکٹر سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے۔

چھاتی کا کینسر

علامات: چھاتی میں گانٹھ یا گاڑھا ہونا جو چھاتی کے باقی ٹشوز سے مختلف ہے۔ چھاتی یا بغل کے ایک حصے میں مسلسل درد، ایک چھاتی دوسری چھاتی سے بڑی یا کم/اونچی ہو جاتی ہے۔ نپل میں تبدیلیاں-اندر کی طرف مڑنا یا شکل یا پوزیشن میں تبدیلی، چھاتی پر پھسلنا یا ڈمپلنگ، بغل کے نیچے یا کالر کی

ایسپرجیلوسس کے مریضوں کے لیے الگ کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ کسی بھی نئی علامات، جیسے طویل مدتی کھانسی میں تبدیلی، وزن میں کمی اور سینے میں درد کی اطلاع اپنے جی پی یا ماہر مشیر کو دینا ضروری ہے۔

علامات: ایک مستقل کھانسی جو 2/3 ہفتوں کے بعد دور نہیں ہوتی ہے۔ آپ کی طویل مدتی کھانسی میں تبدیلی، بڑھتی ہوئی اور مسلسل سانس کی قلت، کھانسی کا خون، سینے یا کندھے میں درد بار بار یا مسلسل سینے میں انفیکشن، بھوک میں کمی، تھکاوٹ، وزن میں کمی، کھردراپن

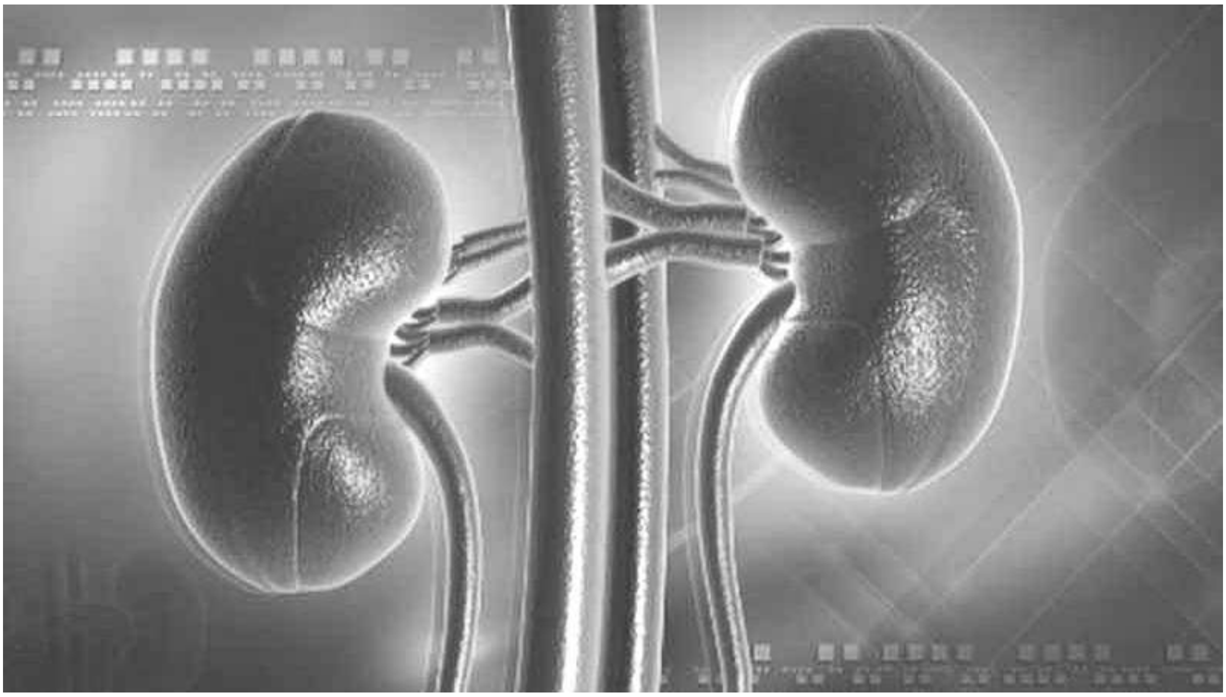

ہڈی کے گرد سوجن، نپل پر یا اس کے ارد گرد ایک دانے، ایک یا دونوں نپلوں سے خارج ہونا۔

گردے کا کینسر

علامات: پیشاب میں خون، کمر کا درد ایک طرف چوٹ کے ذریعے نہیں۔ سائیڈ یا پیٹھ کے نچلے حصے پر ایک گانٹھ، تھکاوٹ، بھوک میں کمی، غیر معمولی وزن میں کمی، بخار جو انفیکشن کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے اور وہ جاتا نہیں ہے۔

پھیپھڑوں کے کینسر

پھیپھڑوں کے کینسر کی علامات کو خاص طور پر

ڈمبگرنتی کینسر

علامات: مسلسل اپھارہ، جلدی بھرا ہوا محسوس کرنا، بھوک میں کمی، آنتوں کی عادات میں تبدیلی، غیر معمولی وزن میں کمی، شرونیی یا پیٹ میں درد، زیادہ کثرت سے پیشاب کرنے کی ضرورت ہے، تھکاوٹ۔

پینکریٹیک کینسر

لبلبے کے کینسر کی کچھ علامات آنتوں کی حالتوں جیسے چڑچڑاپن والی آنتوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اپنا دیکھو GP اگر آپ کے علامات بدل جاتے ہیں، خراب ہو جاتے ہیں، یا آپ

کے لیے نارمل محسوس نہیں کرتے۔

علامات: آپ کی آنکھوں یا جلد کی سفیدی کا پیلا ہونا (یرقان)، خارش والی جلد، گہرا پیشاب اور معمول سے زیادہ ہلکا پا، بھوک میں کمی، تھکاوٹ، بخار، دیگر علامات آپ کے ہاضمہ کو متاثر کر سکتی ہیں، جیسے:

متلی اور قے

آنتوں کی عادات میں تبدیلی

پیٹ یا کمر میں درد

اندراج

اپھارہ

پروسٹیٹ کینسر-علامات

زیادہ کثرت سے پیشاب کرنا، اکثر رات کے وقت (نیکٹوریا)، پیشاب کرنے کی جلدی میں اضافہ، پیشاب میں ہچکچاہٹ پیشاب کرنے میں دشواری، کمزور بہاؤ، یہ محسوس کرنا کہ آپ کا مثانہ پوری طرح سے خالی نہیں ہوا ہے۔

پیشاب یا منی میں خون۔

جلد کا کینسر

جو مریض اینٹی فنگل ادویات لے رہے ہیں ان میں جلد کا کینسر ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، اس لیے اس خطرے کو کم کرنے کے لیے علامات کو سمجھنا اور سورج کی روشنی میں مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔

علامات: جلد کے کینسر کی تین اہم اقسام ہیں:

مہلک میلانوما

بیسل سیل کارسنوما (بی سی سی)

اسکواومس سیل کارسنوما(SCC)

وسیع طور پر، نشانیاں ہیں (ذیل کی تصویر میں دکھایا گیا ہے):

BCC

فلیٹ، بلند یا گنبد نما جگہ

موتی یا جلد کا رنگ

ایس سی سی

ابھرا ہوا، کچا یا کھردری

کبھی السر ہو جاتا ہے۔

میلنوما

ایک غیر معمولی تل جو غیر متناسب، بے قاعدہ اور متعدد رنگوں کا ہوتا ہے۔

گلے کا کینسر

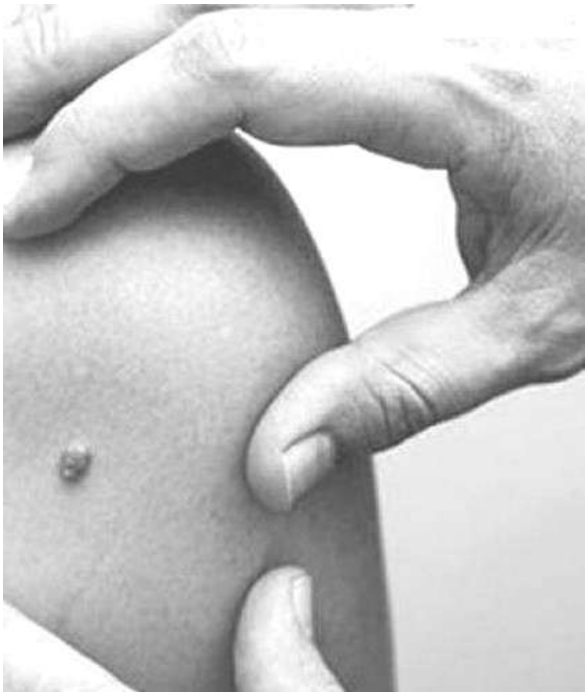

گلے کا کینسر ایک عام اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کینسر جو گلے میں شروع ہوتا ہے، تاہم، ڈاکٹر اسے عام طور پر استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کینسر کی مختلف اقسام ہیں جو گلے کے علاقے کو متاثر کر سکتی ہیں۔

عام علامات: گلے کی سوزش، کان میں درد، گردن میں گانٹھ، نگلنے میں مشکل، اپنی آواز میں تبدیلی، غیر معمولی وزن میں کمی، کھانسی، سانس کی قلت، گلے میں کسی چیز کے پھنسنے کا احساس۔

مثانے کا کینسر

علامات: پیشاب میں اضافہ، پیشاب کرنے کی عجلت، پیشاب کرتے وقت جلن کا احساس، ہلکے درد، تیز درد، پیٹ کا درد، غیر معمولی وزن میں کمی، ٹانگ میں سوجن۔

آنتوں کا کینسر

علامات، نیچے سے خون بہنا آنتوں کی عادت میں ایک مستقل اور غیر واضح تبدیلی، غیر معمولی وزن میں کمی، تھکاوٹ، پیٹ میں درد یا گانٹھ۔

■

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیراعلیٰ ہاؤس میں کرسمس کے موقعہ پر تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

گورنر سندھ کامران ٹیسوری اور وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ کی مزار قائد پر میڈیا سے گفتگو۔

3.وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ اور وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف اپنی متعلقہ ٹیم کے ساتھ
کانفرنس رومز میں ملاقات میں توانائی کے تحفظ کے اقدامات پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔

وزیراعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیراعلیٰ ہاؤس میں عطا اللہ چانڈیو کو ڈی آئی جی آف پولیس، BPS-20 کا رینک پہناتے ہوئے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ سر کاواسجی جہانگیر انسٹی ٹیوٹ آف سائیکاٹری اینڈ بیہیورل سائنسز میں
او پی ڈی کمپلیکس کی افتتاحی تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ مہران یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے
26ویں کانووکیشن میں پوزیشن ہولڈرز کو ڈگریاں دے رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ منچھر جھیل کے ایک گاؤں میں سیلاب سے متاثرہ افراد سے بات چیت کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ ہاکس بے میں کے الیکٹرک کے 500 کے وی KANUPP انٹر چینج گرڈ کا
سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

بھنبھور: سندھ کا قدیم تاریخی اور ساحلی شہر

قرۃ العین ذیشان

تاریخ دان بھنبھور کو ہی دیبل کا شہر لکھتے ہیں۔ شروع شروع میں اس خیال کو نظر انداز بھی کیا جاتا رہا لیکن بعد ازاں کھدائی کے نتیجے میں جب قلعہ کی فصیل اور بستی کے آثار ملے تو بعض مؤرخین کی اس تحقیق کو تقویت ملی کہ دیبل ہی دراصل بھنبھور ہے۔ ''تحفتہ الکرام'' میں واضح طور پر لکھا ہے کہ جس جگہ پہلے دیبل تھا آج وہاں ''لاہری بندر'' ہے۔ جسے ٹھٹہ کہا جاتا ہے وہ ساکرو کے نزدیک کہیں پر واقع تھا۔ ''مرئسیدل'' لکھتا ہے کہ ''دیبل بحیرہ عرب کے کنارے مشہور شہر تھا۔''

بنیادی طور پر بھنبھور ایک قدیم شہر ہے جس کا ذکر یونانیوں اور مصریوں کی پرانی دستاویزات میں بھی ملتا ہے۔ یونانیوں نے اپنی کتابوں میں بھنبھور کو ''بار بائیک'' لکھا ہے۔ یونانی مؤرخ ''رومیلا تھاپر'' اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں کہ ''یونانی لوگ سندھیوں کو بہت پسند کیا کرتے جس کی وجہ یہ بتائی کہ سندھی لوگ بہادر ہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں ساتھ دینے والے ہیں''۔

بھنبھور کا شمار دنیا کے قدیم شہروں میں کیا جاتا ہے۔ یونانی مؤرخین رقم طراز ہیں کہ جب سکندر اعظم سندھ پر حملہ آور ہوا تو اس دور میں کراچی کے نزدیک ''پاتال'' نام کی بندرگاہ تھی جو اصل میں بھنبھور ہی تھا۔ سنکنگ میں کھوٹان نامی ایک علاقہ تھا جو پہلی صدی عیسوی میں ایران، یونان، چین اور ہندستان کے قافلوں کا تجارتی پڑاؤ ہونے کے ناتے ان کے تہذیبی رابطوں کا بھی اہم مرکز مانا جاتا تھا۔ یہاں سے دوسری چیزوں کے علاوہ چین کا ریشم روم بھیجا جاتا تھا جو کاشغر اور چترال سے دریائے سندھ کے راستے بھنبھور کی بندرگاہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ اس تجارتی راستے کو ''سندھو ریشم'' راستہ کہا جاتا تھا۔ سندھی مؤرخ ایم ایچ پنہور کا کہنا ہے کہ ''وادی سندھ کا ریشم والا راستہ سب سے مختصر تجارتی گزرگاہ تھی۔ کشن حکمرانوں کا سندھ کی ''لاڑ'' کے علاقوں کی بندرگاہوں پر کوئی اختیار نہیں تھا کیونکہ اس زمانے میں جنوبی سندھ پر پارتھیوں اور ستھیوں کی حکمرانی تھی۔ اس صورتحال میں انہوں نے سندھ کی طرف آنے والے تجارتی مال کا رخ موڑ دیا تھا اس لئے تیسری صدی تک یہ راستہ ویران ہو چکا تھا''۔

سندھ کی قدیم تجارت سے متعلق معلومات سے پتہ

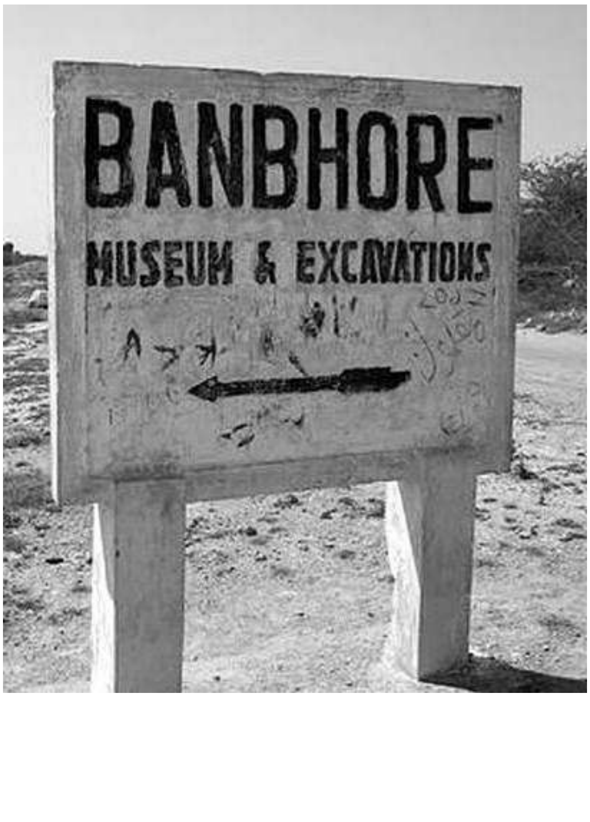

جنوری
2023ء
ماہنامہ اظہار کراچی

چلتا ہے کہ، تجارتی مال واسباب خشکی پر اونٹوں کے ذریعے اور سطح آب پر کشتیوں ذریعے مصر کے آرسینو (سوئیز)، میوس، ہورموس یا بیرنس کی بندرگاہوں پر جاتا تھا، جہاں سے جہازوں پر لاد کر صومالیہ کی بندرگاہ پہنچایا جاتا تھا۔ وہاں سے جنوب میں عربی سمندر کے ساحلی بندر، اہل موضا سے ہوتے ہوئے آسیلا (اوسیلا) کی طرف روانہ کیا جاتا تھا۔ وہاں جہاز پینے کا پانی بھرتے، پھر باب المندیب کا چکر لگا کر بودامون (موجودہ عدن) سے ہوتے ہوئے بھنبھور کی طرف آتے تھے جو دریائے سندھ کے کنارے سمندری بندرگاہ تھی۔ جہازوں کو عدن سے بھنبھور تک پہنچنے میں بیس دن لگتے تھے“ ۔ پلینی لکھتا ہے کہ ”یہاں تجارت پر محصولات کی مد میں پانچ سو پچاس ملین سیسٹر سز (چاندی کے رومی سکے) جتنا سونا ادا کیا جاتا تھا“۔ یہ مال بھنبھور کی بندرگاہ سے ”دیس اور“ کی طرف بھیجا جاتا تھا۔

بھنبھور شہر دو حصوں میں منقسم تھا، ایک حصے 19 فٹ بلند قلعہ پر مشتمل تھا، جس کی فصیل شمال سے جنوبی سمت تقریباً 1200 فٹ طویل اور مشرق سے مغرب تک 200 فٹ چوڑی رہی ہوگی۔ اس کی تعمیر انتہائی خوبصورتی سے تراشیدہ بھاری پتھروں اور گارے سے کی گئی۔ فصیل کو مضبوط بنانے کے لئے مساوی فاصلوں پر بڑے بڑے برجوں اور بھاری بھرکم سنگی پشتوں کے استعمال کے آثار بھی ملتے ہیں۔ قلعہ بندی کے شمال مشرقی دامن میں اور جنوبی دروازے کے پہلو میں ایک پرانی جھیل موجود ہے جس میں برساتی نالوں کے ذریعے پانی جمع ہوتا تھا۔ بھنبھور کے باشندے اپنی ضرورت کے لئے اسی جھیل کا پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ بارش اور طغیانی کے دنوں میں جب جھیل میں حد سے زیادہ پانی بھر جاتا تو جھیل کی سطح کے اوپر آجاتا۔ پانی کے بہاؤ سے قلعہ کو بچانے کے لئے جھیل کے کناروں پر مضبوط پشتے تعمیر کیے گئے تھے، جن کے آثار ملے ہیں۔ گھر کے صحن یا برآمدے پر اترنے چڑھنے کے لیے قدمچے بھی بنے ہوئے ہیں۔

شہر کا دوسرا حصہ فصیل کی دیوار سے باہر پھیلا ہوا ہے جو اس قدیم جھیل کے گردونواح میں ہے۔ یہ سارا رہائشی علاقہ ہے جس میں ہر قسم کی تعمیرات کی گئیں۔ مشرقی ٹیلوں کے دامن میں ایک قبرستان اور میٹھے پانی کے چشموں کے

علاوہ چند کنوؤں کے آثار بھی دریافت ہوئے۔

بھنبھور کے آثار قدیمہ پر مختلف ادوار میں تحقیق ہوتی رہی ہے۔ چند سال قبل پاکستان اور یورپ کے ماہرینِ آثار قدیمہ نے یہاں کھدائی اور تحقیق کے نئے مرحلے پر کام کا آغاز کیا۔ کھدائی کے دوران مٹی کے برتن، سکے، انسانی ڈھانچے، موتی و دیگر نوادرات ملے ہیں۔ ماہرین نے تحقیق کے نتیجے میں ایک قدیم زیرِ آب شہر کے آثار بھی دریافت کئے ہیں، جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہاں پانچویں صدی عیسوی سے نویں صدی عیسوی تک کی آبادی کے نشانات موجود ہیں۔ محققین اس نکتے پر بھی تحقیق کر رہے ہیں کہ بھنبھور ایک ایسا ساحلی شہر تھا، جس کے دیگر شہروں سے تجارتی تعلقات تھے۔ بھنبھور کے آثار قدیمہ پر کی جانے والی گزشتہ تحقیق کے مطابق دیبل کی بندرگاہ یہیں واقع تھی، جہاں محمد بن قاسم حملہ آور ہوئے تھے، تاہم محققین اس ضمن میں کلی طور پر متفق دکھائی نہیں دیتے۔ نئے تحقیق کرنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ اب تک جو کھدائی ہوئی ہے، اس سے یہ تصدیق نہیں ہو رہی کہ آیا دیبل اور بھنبھور ایک ہی مقام تھا۔ اس سے قبل جون 1960ء میں جب ماہرین کے زیر نگرانی بھنبھور کے مقام پر آثار قدیمہ کی کھدائی کا کام جاری تھا تو ایک مسجد کے آثار برآمد ہوئے، جس کے ساتھ کچھ کتبے بھی برآمد ہوئے تھے جن پر خط کوفی میں تحریر ملی۔ اس تحریر کی برآمدگی کے بعد ماہرین آثار قدیمہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ مسجد برصغیر میں تعمیر ہونے والی اولین مسجد تھی، جس کی بنیاد محمد بن قاسم کے ہمراہیوں نے رکھی تھی۔ ماہرین کے مطابق جنوبی ایشیا کی اس پہلی مسجد کا طول 122 فٹ اور عرض 120 فٹ تھا۔ اس کے چاروں اطراف چونے کے پتھر کی اینٹوں کی ایک ٹھوس دیوار تھی، جس کی موٹائی 3 تا 4 فٹ تھی۔ مغرب کی جانب ایک وسیع دالان تھا، جس کی چھت لکڑی کے 33 ستونوں پر قائم تھی۔ اس مسجد کا نقشہ کوفہ اور واسط کی مساجد سے مشابہ تھا اور انہی کا تسلسل معلوم ہوتا تھا۔

بھنبھور کے ان کھنڈرات کا پہلا مطالعہ ۱۹۳۰ع میں آر کیالوجی سروے آف انڈیا کے سپرینٹینڈنٹ این جی مجمدار نے کیا تھا۔ یہ صاحب علم الآثار کے انتہائی ماہر تھے جس نے محدود وقت میں دو تین جگہوں پر مختصر سی کھدائی کر کے اپنی رائے قلمبند کی تھی کہ ’’اس بستی کی تعمیری بناوٹ زیادہ تر عربی تعمیرات سے ملتی جلتی ہے اور یہاں سے ملنے والی زیادہ تر اشیأ سے بھی اسلامی ہنر و فن جھلکتا ہے مگر یہاں اسلامی دور سے پہلے کے آثار موجود نہیں ہیں نہ ہی یہ مختلف ادوار میں آباد ہوتی رہی معلوم پڑتی ہے‘‘ ۔ مجمدار کو کھدائی سے کوئی بھی ایسی چیز ہاتھ نہیں آسکی تھی جس پر ہندو یا بدھ مت دور سے تعلق کا گمان پیدا ہو۔

سوال یہ ہے کہ قدیم سندھ کا یہ تاریخی شہر کیسے اجڑا اور کب ویران ہوا؟ محققین کا اس میں بھی اختلاف ہے۔ رسول بخش تمیمی اپنی سندھی تصنیف ’’ٹھٹھ صدیوں پہلے‘‘ میں لکھتے ہیں کہ بھنبھور کے اجڑنے میں ایک رائے یہ ہے کہ سمندری طوفانوں اور قدرتی آفات نے اسے ملبے کا ڈھیر بنایا۔ دوسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ حملہ آوروں نے اس کی رونقوں کو ختم کیا ہے۔ اس قدیم شہر کے بارے میں یہ رائے عام ہے کہ سمندر کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ یہ شہر بنتا اور بگڑتا رہا، یہاں کے باشندوں کا ذریعہ روزگار بھی سمندر سے ہی منسلک تھا۔ محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ دریائے سندھ قدیم دور میں بھنبھور کے قریب بہتا تھا، جب تیرھویں صدی عیسوی میں دریا نے رخ موڑا تو یہ شہر بھی اجڑ گیا۔ دریائے سندھ آج بھنبھور سے جنوب مغرب کی جانب کیٹی بندر کے قریب کاروچھان کے مقام پر بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ جب دریا نے اپنا مقام بدلا تو سمندر نے اس کی جگہ لے لی۔ بھنبھور قلعے کے جنوب میں خلیج نما سمندری پٹی دیکھی جاسکتی ہے، جسے "گھارو کریک" کہا جاتا ہے۔ قلعے کی بلندی سے سمندر کے اس مدھم کنارے میں ماہی گیروں کی کشتیاں اور اطراف میں سمندری نمک بنانے کا کارخانہ نظر آتا ہے۔

بھنبھور کا قلعہ ایک پہاڑی ٹکڑے پر واقع ہے، جو

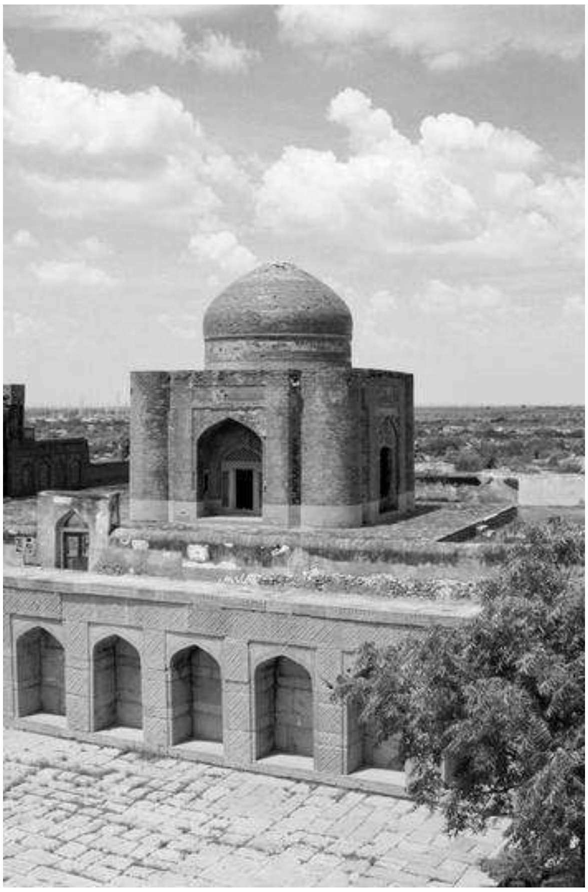

مشرق سے مغرب کی طرف دو سو فٹ چوڑا اور شمال سے جنوب کی جانب بارہ سو فٹ طویل ہے۔اس قلعہ بند شہر کے باہر مشرقی حصے میں قدیم جھیل کے ارد گرد شہر کا بیرونی حصہ کھنڈرات میں پوشیدہ ہے، جس میں صنعتی علاقہ اور ایک قدیم قبرستان بھی شامل ہے۔ جس وقت ہم قلعے کا نظارہ کر رہے تھے، وہ علاقہ مکمل سنسان تھا۔ صرف ایک دو خاندان تصویر کشی میں مشغول تھے۔ ہم قلعے سے باہر آئے، کچھ فاصلے پر قریبی گوٹھ میں درخت کے سائے تلے چارپائی پر بیٹھے، شیراز اور ان کے بھائی عمران سے ملاقات ہوئی۔ سامنے ایک ٹیوب ویل چھوٹے نالوں کے ذریعے کھیتوں کو سیراب کر رہا تھا۔ شیراز علی پیشے کے لحاظ سے زمیندار تھے، وہ زرعی زمین ان کی آبائی ملکیت تھی۔ بھنبھور کے آثار قدیمہ پر ان کا کہنا تھا: ''ہم اپنے آباؤ اجداد سے بھنبھور و دیبل کی داستان اور سسی پنوں کی جو کہانی سنتے آرہے ہیں، آج اپنی اولاد کو بھی وہی داستانیں سناتے ہیں۔اس تاریخی مقام کے متعلق کتابوں میں بیان کئے گئے مفروضوں پر مقامی باشندے بھی یقین رکھتے ہیں''۔ شیراز کا کہنا تھا: ''چوں کہ آج اتوار ہے، اس لئے میوزیم کے دروازے پر دو تین گاڑیاں کھڑی دکھائی دے رہی ہیں، ورنہ معمول کے دنوں میں یہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سہولتیں نہ ہونے کے سبب لوگ یہاں کا رخ کم ہی کرتے ہیں''۔ بھنبھور کا یہ تاریخی مقام صدیوں پہلے ویران ہوا۔ دیبل بندرگاہ کی نسبت سے جو اہمیت اس شہر کو حاصل تھی، اب وہ بھی نہ رہی۔ یہاں سے اب نہ کسی قافلے کا گزر ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی پڑاؤ ڈالتا ہے۔ یہاں کے قدیم باشندوں کو شاید ہی اس بات کا اندازہ تھا کہ تین تہذیبوں کا یہ مسکن ایسے اجڑے گا کہ پھر کبھی آباد نہ ہو گا۔

بھنبھور کی ایک شناخت رومانوی داستان سسی پنوں بھی ہے۔اس قدیم شہر کے بارے میں یہ رائے عام ہے کہ سمندر کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ یہ شہر بنتا اور بگڑتا رہا اور اسی کے ساتھ یہاں کے لوگوں کا کاروبار بھی جڑا رہا ہے۔

■

ترقی پسند تحریک کی پہلی ادیبہ
عصمت چغتائی

محمد سمیع اللہ

اس کے بعد ترقی پسند تحریک وجود میں آئی جس نے ادیبوں کے فکر وشعور کا مرکز و محور بدل کر رکھ دیا۔اس نے ادب کے ذریعے نہ صرف انسانی غلامی، سماجی نابرابری، عدم مساوات، بیرونی تسلط اور فاشزم کے خلاف آواز بلند کی بلکہ ادب کی سماجی معنویت، حقیقت نگاری، اور انقلاب کا نعرہ دیا۔

اس تحریک کی بنیاد مارکسی حقیقت نگاری، سوشلزم اور اشتراکیت پر تھی اس لیے اس تحریک نے سماجی اور سیاسی مسائل کو مارکس کے معاشی نظریات کی روشنی میں دیکھنے کا رجحان عام کیا۔اس تحریک نے ادیب اور شاعر کو اپنے ذاتی نہاں خانے سے نکال کر اجتماعی مفاد اور تہذیب و ثقافت کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ کے لیے رجعت پسند قوتوں کے مقابل آنے اور اپنے فن کو انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دینے کی اپیل کی۔ادیبوں کا ایک بڑا گروہ اس نظام فکر سے گہرے طور پر متاثر ہوا اور نتیجتاً افادی ادب کی تخلیق کا کام شروع ہوا۔عصمت اس تحریک کی فکری جیت سے نہ صرف متاثر ہوئیں بلکہ باضابطہ طور پر وہ اس تحریک سے وابستہ بھی ہو گئیں۔اور وہ تمام باتیں جو ترقی پسند تحریک کی اساس تھیں وہ عصمت کی فکر کا حصہ بن گئیں اور ان کی تخلیقات میں نمایاں طور پر اجاگر ہوئیں۔

فکر و شعور کی اس منزل پر عصمت کے سامنے ہندوستان کے منظر نامے میں زبردست تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ایک پورا سماجی نظام تھا جو بدل رہا تھا۔ جاگیر دارانہ تہذیب و تمدن روبہ زوال تھی اور اس کی جگہ مغربی تہذیب و تمدن کا چراغ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو رہا تھا۔ عصمت نے جہاں ایک طرف اس نظام کو ٹوٹتے اور پرانی قدروں کو بکھرتے ہوئے دیکھا تھا وہیں دوسری طرف ایک نئے نظام اور نئی اقدار کو پروان چڑھتے ہوئے بھی دیکھا... اسی دوران ہندوستان میں آزادی کی تحریک اپنے شباب پر پہنچ چکی تھی۔ پھر ملک آزاد ہوا، تقسیم کا اندوہناک واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں فسادات ہوئے۔ مشترکہ کلچر تباہ و برباد ہوا۔ میل ملاپ اور بھائی چارگی کی فضا مسموم ہو گئی۔ مدت سے ایک ساتھ رہنے والی دو قوموں کے درمیان منافرت پیدا ہو گئی۔ سماجی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گیا اور نفرت و تعصب پر مبنی ایک نئے سماج کا وجود عمل میں آیا۔ پورا ملک اس اندوہناک اور دردناک تاریخی سانحے سے بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر دوچار ہوا۔ پھر آزادی کے بعد ملک میں چور بازاری، لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری اور کرپشن کا بازار گرم ہوا گویا سیاسی آزادی تو مل گئی تھی لیکن سماجی اور اقتصادی غلامی پھر بھی قائم رہی۔ان تمام واقعات و حادثات کا عصمت نے گہرے طور پر مشاہدہ کیا جس کے بارے میں وہ اس طرح لکھتی ہیں:

"ہم نے جب آنکھ کھولی تو ہندوستان غلامی کی بیڑیاں توڑ رہا تھا۔ زندگی کے ہر شعبے میں غلامانہ اقدار اور ذہنیت دم توڑ رہی تھی اس ابھرتے ہوئے ہندوستان سے ہم نے جرآت، بہادری اور قربانیاں دینے کا ادراک حاصل کیا۔ ہم نے دو دور دیکھے۔ آزادی سے پہلے اپنی ذاتی خواہشات اور مفادات

کو آزادی کی خاطر قوم ملک کی خاطر قربان کر دینا اور پھر آزادی کے بعد بنیوں کی لوٹ کھسوٹ، دھاندلی، چور بازاری دیکھی۔''

یہ تمام تبدیلیاں اس وقت وجود میں آرہی تھیں جب عصمت چغتائی عقل و شعور کی پختگی کی منزلوں میں قدم رکھ رہی تھیں اور ان کے فکر کی راہیں متعین ہو رہی تھیں۔ لہٰذا اس طرح کے اس دوہرے سماجی نظام و اقدار کے تصادم نے جوہر عبوری دور کی خصوصیت ہوتا ہے زندگی کو ہر سطح پر پیچیدہ بنا دیا لیکن ان پیچیدگیوں کا ایک مثبت نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ذہن ان پیچیدگیوں پر غور کرنے اور سلجھانے کی کوشش کا عادی ہو جاتا ہے۔ جیسا عام حالات میں کم ہوتا ہے۔ عصمت نے بھی اپنے آپ کو انہی پیچیدگیوں کے جال میں پھنسا کر پھر اس میں سے نکلنے کی کوشش کی ہے۔

عصمت کے فکر میں نمایاں تبدیلی ان کے چوتھے افسانوی مجموعے 'دو ہاتھ' (1952) سے دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس مجموعے کے افسانوں میں عصمت نے انسانیت کے دکھ درد کو پیش کیا ہے اور حیات انسانی کو درپیش مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ جنس اور نفسیات کا غلبہ اس افسانوی مجموعے سے کم ہوتا نظر آتا ہے۔ اور سماجی اور سیاسی مسائل اب ان کی فکر میں در آئے ہیں۔ یہاں محنت کش طبقے کا استحصال، عورت کی معاشی مجبوری اور اس کا استحصال، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے راہ روی، ان کی فکر کا حصہ بنتی ہے۔ ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''خوب قہقہے چلتے ریکارڈ لگا کر ڈانس کیے جاتے۔ چوما چاٹی سے آگے بات نہ بڑھتی۔ یہ اور بات تھی کہ کبھی کوئی جوڑا اٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو جاتا۔'' (نیند)

''سرکار لونڈا بڑا ہو جاوے گا، اپنا کام سمیٹے گا وہ دو ہاتھ لگائے گا، سو اپنا بڑھاپا تیر ہو جائے گا۔'' (دو ہاتھ) مدن سمجھ گئی۔ اونچے گھر کا پوت ایک بیسوا سے بدتر عورت کو کیسے بیاہ سکتا ہے۔ وہ خود ہزاروں عورتوں کے ساتھ رہ کر بھی کنوارا ہے۔ اس کنواری سے بھی زیادہ پاک اور مقدس جس کا کنوار پن کسی حادثہ کا شکار ہو گیا ہو۔ مرد سدا کنوارا ہی رہتا ہے۔ سونے کے کٹورے کی طرح جس میں کوڑھی بھی پانی پی لے تو گندا نہیں ہوتا اور مدن تو کچا سکورا تھی۔ جو سائے سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔'' (کنواری)

اپنے افسانوی مجموعے 'چھوئی موئی' (1952) تک پہنچتے پہنچتے عصمت کے فکر و شعور میں کافی تنوع اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کا فکری کینوس بڑھ کر عالم گیر نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں جدید دور کے افسانوں کے پیچیدہ مسائل زیادہ ہیں۔ مفلسی اور غربت کا مسئلہ ہے۔ محنت کش طبقوں کے استحصال کی کہانی ہے، سیاسی موضوع پرستی ہے، بڑھتی ہوئی آبادی اور تعلیم کا مسئلہ ہے۔ سامراجی نظام کے مسئلے ہیں۔ قحط، بھوک مری اور مہنگائی جیسے موضوعات ہیں۔ فساد کا مسئلہ ہے، تقسیم ہند اور ہجرتوں کے احوال ہیں۔ انسانی رشتوں کی شکست و ریخت کی کہانی ہے۔ جہیز کا مسئلہ اور لعنتیں ہیں۔ توہم پرستی اور لاتعداد ایسے مسائل ہیں جن سے اس وقت کا سماج گزر رہا تھا۔ ان تمام موضوعات و مسائل کا تجزیہ عصمت نے نہ صرف بصیرت کے ساتھ کیا بلکہ ان کی پیشکش میں سماج کے مثبت رویے کے لیے وکالت بھی وہ بڑی فن کاری سے کرتی ہیں۔ ان افسانوں میں عصمت کا فکری ارتقا اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ عصمت نے جس جسارت اور بصیرت کے ساتھ زندگی کے ان مسئلوں کو پیش کیا ہے اردو فکشن میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''انگریز چلے گئے اور چلتے چلتے ایسا گہرا گھاؤ مار گئے جو برسوں رسے گا۔ ہندوستان پر عمل جراحی کچھ ایسے لنجے ہاتھوں اور کھٹل نشتروں سے ہوا ہے کہ ہزاروں شریانیں کٹ گئی ہیں۔ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں کسی میں اتنی سکت نہیں کہ ٹانکا لگا سکے۔'' (جڑیں)

''جس مٹی میں جنم لیا، جس میں لوٹ پوٹ کر بڑھے پلے، وہی اپنا وطن نہ ہوا تو پھر جہاں چار دن کو جا کر بس جاؤ وہ

کیسے اپنا وطن ہو جائے گا اور پھر کون جانے وہاں سے کوئی بھی نکال دے۔'' (جڑیں)

''امریکہ کے بچے وہاں کے سامراجی نظام کی پیداوار ہیں۔ جو والدین تجارتی منڈیوں اور سیاسی اسٹیج پر کر رہے ہیں۔ بچے وہی اسکولوں اور کالجوں میں کر رہے ہیں۔ وہی لوٹ مار، وہی منہ زوری اور غنڈہ گردی... آج وہ غنڈوں کے سردار ہیں۔ کل انھیں فرموں اور ملوں کا مالک بن کر ہی کھیل کو حقیقت بنانا ہے۔ وہی رنگ و نسل کی تفریق، ایٹم بم کی دھمکیاں ان کھیلوں میں رچی نظر آتی ہیں۔'' (یہ بچے)

''آپ پردے کی قید میں گرفتار ہیں۔ آپ کی بہنیں جاہل ہیں۔ آپ کے ملک کے بچے بھوکے ہیں، ننگے ہیں۔ نوجوان بے روزگار ہیں، بیمار ہیں۔ یہ پردہ جہالت یہ بھوک اور افلاس یہ سب ہی ایک پیڑ کے پھول پتے ہیں۔ یہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں آپ اگر ان پھول پتیوں کو ایک بار نوچ بھی ڈالیں تو ان میں نئے پتے پھوٹ آئیں گے۔ جن میں اس سے زیادہ گھناؤنے پھل پھول کھلیں گے۔ اس لیے ہمیں جڑوں کے خلاف جنگ کرنی چاہیے۔'' (بمبئی سے بھوپال تک)

''ملک کے طالب علم الٹی جبریہ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان پر لاٹھی چارج ہوتے ہیں، گولیاں چلتی ہیں اور انھیں سزائیں دی جاتی ہیں۔ اسکول میں داخل ہی نہیں کیا جاتا۔ اب تو نام نہاد تعلیم کے دروازے بھی بند ہوتے جا رہے ہیں۔'' (یہ بچے)

عصمت کے ناولوں کی کامیابی اور ان کی اہمیت کا اصل راز ان کی دلکش اور شیریں زبان ہے۔ وہ کرداروں کی حرکات وسکنات اور ان کے طور طریقوں سے زبان وبیان میں مزید حسن پیدا کر دیتی ہیں۔ وہ مکالموں میں طنز وظرافت سے بھی کام لیتی ہیں اور کرداروں سے اکثر تیکھی زبان استعمال کراتی ہیں جس کا اثر ذہنوں پر تادیر قائم رہتا ہے۔ اس سلسلے میں مجنوں گورکھپوری ایک جگہ لکھتے ہیں:

''عصمت کو ایک خاص جوار اور ایک خاص طبقہ کی زبان پر الہامی قدرت حاصل ہے۔ ایسی بے تکان زبان مشکل ہی سے کسی کو نصیب ہو سکتی ہے۔ وہ الفاظ اور فقروں کے گویا طرارے بھرتی ہیں۔''

عصمت کے فکر وشعور میں پختگی اور بالیدگی کا جو ارتقائی عمل ان کے افسانوی مجموعے 'دو ہاتھ' سے شروع ہوتا ہے وہ مجموعہ 'چھوئی موئی'، 'بدن کی خوشبو' (1979) اور آخری افسانوی مجموعہ 'لحاف' تک پہنچتے پہنچتے پختہ تر ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ سیاسی اور سماجی بصیرت نے ان کے فکری رجحان میں تنوع، وسعت اور گہرائی پیدا کر دی۔ یہاں عصمت کی سیاسی اور سماجی فکر پہلے کے مقابلے زیادہ گہری نظر آتی ہے۔ ان افسانوی مجموعوں میں جنسی اور نفسیاتی مسئلہ سماجی اور سیاسی مسائل کے سامنے وہ اہمیت اور شدت نہیں رکھتا جو قبل کے افسانوں میں عصمت کی فکر کا غالب رجحان تھا۔ سماجی اور سیاسی مسائل کے تئیں عصمت کی ذہنی بیداری ان کے پختہ سماجی اور سیاسی شعور کا نتیجہ ہے۔

عصمت نے معاشرے میں پھیلی برائیوں اور عورتوں کے تئیں غلط رجحان کو فنی چابکدستی کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے جس کی وجہ سے قاری ان کی تحریر کا قائل ہو جاتا ہے۔ عصمت کی زبان وبیان میں سلاست، روانگی اور برجستگی بھی موجود ہے۔ عصمت نے اپنے ناولوں میں مکالموں کے ذریعہ بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ وہ کرداروں کے زبان سے ایسی تیکھی بات کہلوا دیتی ہیں جس کا اثر ذہنوں پر تادیر قائم رہتا ہے۔ گرچہ وہ ایک صاحب طرز انشاپرداز نہیں مگر ان کی نثر ایک خاص قسم کا اسلوب رکھتی ہے جس میں اشاریت اور رمزیت سے ایک مخصوص فضا بن جاتی ہے۔

عصمت چغتائی اردو کی ترقی پسند ادبی تحریک کے ہراول دستے میں شامل تھیں۔ وہ غالباً اُردو کی پہلی ادیبہ تھیں جن کی کسی تحریر پر پابندی عائد ہوئی اور ان پر فحاشی کے الزام میں باقاعدہ مقدمہ چلا۔ یہ افسانہ 'لحاف' تھا جو بقول عصمت چغتائی کے ایک سچے واقعے پر مشتمل تھا۔ عصمت چغتائی نے اس مقدمے کا سامنا کیا اور عدالت نے انھیں باعزت بری کیا۔

■

نیرہ نور: بلبلِ پاکستان

اطہر بیگ

پی ٹی وی کے سیٹ پر انٹرویو میں میزبان منیزہ ہاشمی سے گفتگو میں انھوں نے کہا مجھے شاید اس بات کی کبھی سمجھ نہ آسکتی، این سی اے میں ہمارے کنسرٹس ہوتے تھے اور بڑے بڑے استاد اس میں آتے تھے، ایک بار پروفیسر اسرار کچھ لیٹ ہو گئے تو میرے کلاس فیلوز نے کہا کہ جب تک وہ نہیں آتے تب تک تم گاؤ، جب میں گا کر نیچے اتری تو پروفیسر صاحب نے مجھے کہا کہ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ آپ بہت اچھا گاتی ہیں اور آپ اس فن کو ضائع نہ کیجیے، وہی ہیں جنھوں نے مجھے پہلے ریڈیو پر لایا اور سب سے پہلی غزل جو میں نے گائی وہ ریڈیو پر ہی گائی۔ نیشنل کالج آف آرٹس جہاں نیّرہ پڑھتی تھیں وہاں سے وہ پہلے یونیورسٹی پھر ریڈیو اور ٹی وی پر گانے لگیں۔ انھوں نے ٹال مٹول، اکر بکڑ اور گپ شپ کے لیے گایا اور پھر بعد میں یہ سلسلہ چلتا چلا گیا۔ نیّرہ نور کو پی ٹی وی پر فیض احمد فیض کی بیٹی منیزہ ہاشمی نے متعارف کروایا تھا۔ نیّرہ نور بہت سادہ انداز میں رہتی تھیں اور سنجیدگی کی چھاپ ان کے گانے کے انداز اور شاعری کے چناؤ میں بھی جھلکتی تھی۔ کریئر کے دوران اور بعد میں بھی ان کے بہت کم انٹرویوز دیکھنے کو ملے۔

فلم فرض اور ممتا کے لیے انھوں نے جب قومی نغمہ اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں گایا تو اس زمانے میں

ماہنامہ اظہار کراچی

ریڈیو ڈرامہ آرٹسٹ اور شاعر، حمایت علی شاعر کو دیے اپنے ایک اور انٹرویو میں بتایا کہ ہمارے خاندان میں گانے پر پابندی تو تھی خاص طور پر والد کے خاندان میں لیکن والد نے یہ پابندی ختم کی ان کے الفاظ تھے کہ کسی بچے پر اگر پابندی لگا دی جائے تو وہ بغاوت کر دیتا ہے اس لیے یہی ہے کہ اس کو اس طرف جانے دیں۔

وہ کہتی تھیں کہ ریڈیو سن سن کر گانا سیکھا۔ گانے کے رموز میرے اندر تھے لیکن میں نے بڑے لوگوں کو بہت سنا ہے، اچھا اور مشکل گانا بہت سنا ہے اور وہ بھی میں سمجھتی ہوں یہ بھی ایک علم ہے، میں 24 گھنٹے اسی میں رہتی تھی، بڑے بڑے اساتذہ کے گانوں کو سنتی اور اب بھی سنتی ہوں۔` اُن کا متانت بھرا انداز، اُن کی شائستگی، اُن کی سنجیدگی، اُن کے گیت سب اپنی مثال ہیں

ابتدا میں جب نیرہ نور ٹیلی وژن پر آئیں تو اتفاق ہے کہ اُن کا ہیئر اسٹائل اور بیٹھ کے گانے کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی کہ خدانخواستہ اُن کے کان کے پاس کوئی سیاہ نشان ہے جسے چھپانے کے لیے یہ ہیئر اسٹائل بنایا ہے، یا وہ بیمار ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ثابت ہوئیں۔ نہ تو نیرہ نور کے چہرے پہ کوئی نشان تھا نہ وہ بیمار تھیں۔ لوگوں میں آگہی کی کمی تھی، اسی باعث بلاوجہ کی قیاس آرائیاں ہوئیں۔

نیرہ نور نے ٹیلی وژن ڈراموں کے علاوہ فلموں کے لیے بھی پس پردہ گلوکاری کی، اُن کے فلمی گیت آج بھی سدا بہار ہیں۔ شہرۂ آفاق فلم آئینہ کے لیے گائے اُن کے گیت ''روٹھے ہو تم تم کو کیسے مناؤں پیا'' اور ''مجھے دل سے نہ بھلانا'' آج بھی مقبول ہیں۔ فلم گھرانہ کا گیت ''تیرا سایہ جہاں بھی ہو سجنا'' جسے ہر دور میں پسند کیا گیا یا فلم آس کا گیت جو شبنم پہ فلمایا گیا ''بول ری گڑیا بول ذرا'' سب کو یاد ہیں۔ تُو ہی بتا پگلی پون جو فلم پھول میرے گلشن کا کے لیے تھا، ٹوٹ گیا سپنا اور دیگر بے شمار گیت ہیں جو نیرہ نور نے خوبصورتی سے گائے۔ اُن کی آواز میں اتنار چائو تھا، اتنی مٹھاس تھی، جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے ناصر کاظمی، احمد شمیم، مومن خان مومنؔ، اختر شیرانی اور ابنِ انشا سمیت فیض احمد فیض اور مرزا غالب کا بھی کلام گایا۔

ایک کمپنی نے مقامی آڈیٹوریم میں ایک پروگرام منعقد کیا تھا فنکاروں میں نیرہ نور بھی شامل تھیں۔ انہوں نے سرمئی رنگ کا باوقار لباس زیب تن کیا تھا، ایک شال بھی لپیٹے تھیں، میک اپ کا نام ونشان تک نہ تھا، بالوں کو قرینے سے سمیٹ کے جُوڑا بنایا ہوا تھا۔ یہ سب گلوکاروں کے روایتی

وضع قطع سے مختلف انداز تھا، سادگی کا پیکر نیرہ نور، شوبزنس کے گلیمر سے آزاد تھیں مگر اس کے باوجود جب انہوں نے اپنا پہلا گیت گانا شروع کیا تو پورا ہال کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگا۔

اس پذیرائی کو انگریزی میں Standing Ovation کہتے ہیں جس کا ترجمہ جمیل جالبی نے کھڑتالی کیا ہے۔ گیت کے بول، نیّرہ کی سُریلی آواز جیسے دِلوں میں اُتر گئی تھی، ہم نے دیکھا بعض خواتین شدت جذبات سے رو پڑیں، آنکھوں سے آنسو رواں، چہرے پہ تمتماہٹ اور خوب تالیاں، نیّرہ تو بس چھا گئیں، گیت کونسا تھا یہ آپ یقیناً جاننا چاہتے ہوں گے، تو ہم بتلا دیتے ہیں، وہ تھا مشہور ملی گیت ''وطن کی مٹی گواہ رہنا''۔ نیّرہ نے کل تین گانے گائے اور رُخصت لی۔ لوگ Once more چیختے رہے، تالیاں بجاتے رہے مگر انہوں نے مائیک رکھ دیا۔

اُن سے پوچھا کہ کیوں اتنی مختصر انٹری دی، لوگ اصرار کر رہے تھے، آپ کو سُننا چاہ رہے تھے۔ اُنہوں نے متانت سے جواب دیا کہ تین بھی بہت ہیں، معین اختر تو کہتے ہیں بس دو گانے گایئے اور اجازت لیجئے، لوگوں کا اصرار رہے، تشنگی برقرار رہے، Once more کی آوازیں آتی رہیں تو اچھا ہے ورنہ عموماً فنکار اسٹیج پہ جا کے بھول جاتے ہیں کہ کتنے گانے گائے اور کتنا وقت لیا۔ ہمیں اُن کی بات اچھی لگی۔ اُن کے گانوں کا انتخاب بھی خوب تھا۔ ویسے تو انہوں نے جتنے بھی گیت گائے، سب ہی مقبول ہیں لیکن ملی گیت سے پرفارمنس کا آغاز کرنا بہت مناسب بات ہے۔

پاکستان کی لیجنڈ گلوکارہ نیرہ نور کے نغمے ان کے گیت و غزلیں ان کے ترانے لازوال ہیں اور ان کی آواز دلوں میں گونجتی ہے اور وہ اپنی خوبصورت آواز سے دلوں میں زندہ رہیں گی۔ ان کے مشہور گیتوں میں تیرا سایہ جہاں بھی ہو سجناں پلکیں بچھا دوں، اے جذبہ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے، روٹھے ہو تم تم کو کیسے مناؤں پیا، مجھے دل سے نہ بھلانا چاہے روکے یہ زمانہ، اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں،

بول ری گڑیا بول ذرہ اے عشق ہمیں برباد نہ کر پھر ساون رت کی پون چلی تم یاد آئے 'وطن کی مٹی گواہ رہنا گواہ رہنا'' جیسے شاہکار فن پارے شامل ہیں۔ ان کی گائی ہوئی بے شمار غزلوں میں احمد شمیم کی یہ نظم بہت مقبول ہوئی۔

وطن کی مٹی گواہ رہنا بہت مشہور گیت ہے، نیرہ نور نے فلم فرض اور ممتا کے لیے بھی ایک ملی گیت گایا تھا جس کی موسیقی ایم اشرف نے ترتیب دی تھی، گانے کے بول تھے، ''اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں''۔ نیرہ نور کا تعلق کسی موسیقی گھرانے سے نہیں تھا لیکن اُن کی آواز اور اُن کا فن اتنا باکمال تھا کہ ہر کوئی اُن کی صلاحیتوں کا معترف تھا۔ انہوں نے ملی گیت، فلمی گیت، نظمیں، غزلیں گائیں اور بہت نام کمایا۔

3 نومبر 1950 کو آسام میں پیدا ہونے والی نیرہ نور آج اِس دُنیا میں نہیں لیکن ان کی آواز ہمیشہ ہماری سماعتوں میں رَس گھولتی رہے گی۔

■

دنیا کے مقبول ترین سیاحتی مقامات

شہناز اختر

ٹریول گائیڈ 'لونلی پلینیٹ' نے دنیا کے پانچ سو بہترین سیاحوں کی سائٹس کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ سیاحوں میں مقبول دنیا کے چوٹی کے دس مقامات۔

1-انگکورواٹ، کمبوڈیا

ٹریول گائیڈ 'لونلی پلینیٹ' کی ٹاپ ٹین کی اس فہرست میں کمبوڈیا کے انگکور واٹ مندر پہلے نمبر پر براجمان ہیں۔ انگکور واٹ کے لیے سب سے زیادہ لوگوں نے ووٹ دیے۔ بارہویں صدی عیسوی میں قدیم خمیر سلطنت کی یہ باقیات آج بھی فن تعمیر کے لحاظ سے سائنسدانوں، تاریخ دانوں اور سیاحوں کو حیران کرتی ہیں۔

2-گریٹ بیریر ریف، آسٹریلیا

شمال مشرقی آسٹریلیا کے ساحل پر دنیا کی مونگے کی سب سے بڑی چٹانیں ہیں، جو تقریباً ساڑھے تین لاکھ مربع میٹر رقبے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ سنگی مرجانی چٹانوں کا یہ علاقہ مچھلیوں اور سمندری حیات کی پندرہ سو سے زیادہ اقسام کا مسکن ہے۔ سمندر سے محبت کرنے والوں اور شوقیہ غوطہ خوری کرنے والوں کے لیے یہ دنیا کی سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ ہے۔

3.ماچو پیچو، پیرو

کھنڈرات کی صورت میں محفوظ یہ قدیم شہر انکی تہذیب کی نشانی ہے۔ یہ شہر غالباً 500 سال پہلے تعمیر کیا گیا تھا۔ انکا تہذیب کا اچانک غائب ہو جانا آج بھی ایک معمہ ہے۔ ماچو پیچو میں پتھر کی بنی 216 عمارتیں ہیں، جو سیڑھیوں سے جڑی ہیں۔ 2360 میٹر کی اونچائی پر یہ سب کچھ تعمیر کرنا

جنوری
2023ء
ماہنامہ اظہار کراچی

یقینی طور پر ایک چیلنج رہا ہو گا۔

4۔ چین کی عظیم دیوار

جنوب کے قبائلی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے ساتویں صدی میں چینی حکمرانوں نے یہ دیوار تعمیر کرنا شروع کی۔ کئی ہزار کلومیٹر طویل یہ دیوار دنیا میں انسانی ہاتھوں سے وجود میں آنے والا سب سے بڑا تعمیراتی کام ہے۔ بہت دعووں کے باوجود اسے اب تک کوئی بھی خلا باز بغیر کسی اضافی آلے کی مدد کے نہیں دیکھ پایا ہے۔

5۔ تاج محل، بھارت

سفید سنگ مرمر سے بنا تاج محل سیاحوں کے پسندیدہ ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ آگرہ میں اس عمارت کو 1632ء میں مغل شہنشاہ شاہجہاں نے اپنی چہیتی بیگم ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کروایا تھا۔ تاج محل ایرانی اور مغل فن تعمیر کا سنگم ہے۔ اسے بنانے میں 17 سال لگ گئے۔

6. گرینڈ کینیئن، امریکا

گرینڈ کینیئن پہنچتے ہی زمین کے اربوں سال کے جغرافیائی سفر کو دیکھا جاسکتا ہے۔ گرینڈ کینیئن 450 کلومیٹر طویل ہے اور اس کی گہرائی ایک ہزار آٹھ سو میٹر سے بھی زیادہ ہے۔ اصل میں کولوراڈو دریا نے گزشتہ اربوں سالوں میں پتھریلے پہاڑوں سے ٹکرا ٹکرا کر یہ گھاٹی بنائی ہے۔

7. کولوسیم، اٹلی

قدیم رومی دور کے اس اسٹیڈیم میں گلیڈی ایٹرز کے درمیان مقابلے ہوا کرتے تھے۔ رومی بادشاہ موت کی سزا پانے والوں کو یہاں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں شیروں کے سامنے ڈال دیتے تھے۔ اس عمارت کا استعمال اسٹیڈیم کے طور پر بھی ہوتا تھا یعنی وہاں کھیلوں کے مقابلے منعقد کروائے جاتے تھے۔ یہاں پچاس ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

8. الحمرا، اگوازو آبشار، برازیل/ارجنٹائن

قدیم مقامی زبان میں اگوازو کا مطلب ہوتا ہے، 'اتھاہ پانی'۔ اس مقام پر دریائے اگوازو 269 فٹ (82 میٹر) نیچے گرتا ہے۔ اس آبشار کی چوڑائی 2.7 کلومیٹر ہے۔ قدرتی نظارے کے لحاظ سے یہ زمین کے حیرت انگیز ترین مقامات میں سے ایک ہے۔

9. الحمرا، اسپین

یورپ کی سیر وسیاحت کو جانے والے سیاحوں میں جو مقامات سب سے زیادہ مقبول ہیں، اُن میں الحمرا بھی شامل ہے۔ غرناطہ شہر کے اس قلعے کو مورح تہذیب کے فن تعمیر کی ایک مثال سمجھا جاتا ہے۔ اسے تیرہویں صدی میں جنوبی سپین کے مسلم حکمرانوں کے دور میں تعمیر کیا گیا۔

10. آیا(حاجیا) صوفیہ، ترکی

ترکی کے شہر استنبول میں واقع یہ خوبصورت عمارت تقریباً پندرہ سو برس قبل بازنطینی دورِ حکومت میں تعمیر ہوئی تھی۔ تب یہ ایک گرجا گھر تھی، پھر مسجد بنی اور آج کل اسے ایک میوزیم کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی خاص بات اس کا بڑا گنبد ہے اور یہ استنبول کی نمایاں ترین علامت تصور ہوتی ہے۔ ایک ہزار سال تک یہ دنیا کا سب سے بڑا کیتھیڈرل بھی رہی۔

آیا صوفیہ ایک ایسی عمارت ہے جو ماضی میں صدیوں تک مسجد بھی رہی ہے اور ایک کلیسا بھی۔ ایک ماہ پہلے تک وہ گزشتہ کئی عشروں سے ایک میوزیم تھی۔ استنبول شہر کی پہچان بن جانے والی اس تاریخی عمارت کو ایک مسلم عبادت گاہ میں بدل دینے کے فیصلے کی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کی طرف سے تو تعریف کی گئی تھی لیکن بین الاقوامی سطح پر اس اقدام پر بہت سخت تنقید بھی کی گئی تھی۔

■

قسطنطنیہ اور عثمانی سلطنت

خلافت کا ایک الگ دور

سمیع اللہ

قسطنطنیہ کا قدیم نام بازنطین تھا۔ لیکن جب 330 عیسوی میں رومن شہنشاہ کونسٹینٹائن اول نے اپنا دارالحکومت روم سے یہاں منتقل کیا تو شہر کا نام بدل کر اپنے نام کی مناسبت سے کونسٹینٹینوپل کر دیا، (جو عربوں کے ہاں پہنچ 'قسطنطنیہ' بن گیا)۔ مغرب میں رومن امپائر کے خاتمے کے بعد یہ سلطنت قسطنطنیہ میں برقرار رہی اور چوتھی تا13ویں صدی تک اس شہر نے ترقی کی وہ منازل طے کیں کہ اس دوران دنیا کا کوئی اور شہر اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان شروع ہی سے اس شہر کو فتح کرنے کے خواب دیکھتے آئے تھے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کی خاطر چند ابتدائی کوششوں کی ناکامی کے بعد 674 میں ایک زبردست بحری بیڑا تیار کر کے قسطنطنیہ کی سمت روانہ کیا۔ اس بیڑے نے شہر کے باہر ڈیرے ڈال دیے اور اگلے چار سال تک متواتر فصیلیں عبور کرنے کی کوششیں کرتا رہا۔

دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں میں سے ایک سلطنتِ عثمانیہ کی داغ بیل عثمان غازی نے 13ویں صدی میں ڈالی تھی۔ اس زمانے میں بازنطینی سلطنت آخری سانسیں لے رہی تھی اور اناطولیہ متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور راجواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ 1254 میں پیدا ہونے والے عثمان غازی ان میں سے ایک چھوٹی سی ریاست سوغوت کے ترک

سردار تھے۔ تاہم انھوں نے ایک دن ایک ایسا خواب دیکھا جس نے تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔

برطانوی مورخ کیرولین فنکل نے اپنی کتاب 'عثمان کا خواب' میں لکھا ہے کہ ایک رات عثمان ایک بزرگ شیخ ادیبالی کے گھر میں سو رہے تھے کہ انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے سینے سے ایک درخت اگ کر ساری دنیا پر سایہ ڈال رہا ہے۔ انھوں نے جب شیخ کو خواب سنایا تو انھوں نے کہا: ''عثمان، میرے بیٹے، مبارک ہو، خدا نے شاہی تخت تمھارے اور تمھاری اولاد کے حوالے کر دیا ہے۔''

اس خواب نے عثمان غازی کے لیے مہمیز کا کام کیا کیوں کہ وہ سمجھنے لگے کہ اب انھیں خداوندی تائید حاصل ہو گئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے آس پاس کی سلجوق اور ترکمان ریاستوں، اور بالآخر بازنطینیوں کو پے در پے شکستیں دے کر اناطولیہ کے بڑے حصے پر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔

یہی خواب بعد میں چھ صدیوں تک راج کرنے والی سلطنتِ عثمانیہ کا بنیادی جواز اور اسطورہ بن گیا جس کے سائے میں انھوں نے نہ صرف اناطولیہ بلکہ تین براعظموں کے بڑے حصوں پر صدیوں تک حکومت کی۔

قسطنطنیہ کو تین طرف سے بحیرۂ باسفورس نے گھیرے میں لیا ہوا ہے جو اس کے لیے شہر پناہ کا کام کرتا ہے۔ بازنطینیوں نے گولڈن ہورن کو زنجیریں لگا کر بند کر رکھا تھا جب کہ دوسری جانب ان کے 28 جنگی جہاز پہرے پر مامور تھے۔

22 اپریل 1453 کو عثمانی سلطان محمد فاتح نے ایک ایسی چال چلی جو کسی

کے سان وگمان میں بھی نہ تھی۔ انھوں نے خشکی پر تختوں کی شاہراہ تیار کی اور اس پر تیل اور گھی ڈال کر اسے خوب پھسلواں بنادیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے 80 بحری جہاز اس راستے پر مویشیوں کی مدد سے گھسیٹ کر دوسری طرف پہنچا دیے اور شہر کے حیرت زدہ محافظوں پر آسانی سے قابو پالیا۔

محمد فاتح نے اپنا دارالحکومت قسطنطنیہ منتقل کر کے اپنے لیے قیصرِ روم کا خطاب اختیار کیا۔

چھ صدیوں تک مسلمانوں نے دوبارہ قسطنطنیہ کا رخ نہیں کیا، حتیٰ کہ سلطان محمد فاتح نے بالآخر شہر پر اپنا جھنڈا لہرا کر سارے پرانے بدلے چکادیے۔

شہر پر قبضہ جمانے کے بعد سلطان نے اپنا دارالحکومت ادرنہ سے قسطنطنیہ منتقل کر دیا اور خود اپنے لیے قیصرِ روم کا لقب منتخب کیا۔ آنے والے عشروں میں اس شہر نے وہ عروج دیکھا جس نے ایک بار پھر ماضی کی عظمت کی یادیں تازہ کر

دیں۔

سلطان نے اپنی سلطنت میں حکم نامہ بھیجا: ''جو کوئی چاہے، وہ آ جائے، اسے شہر میں گھر اور باغ ملیں گے۔'' صرف یہی نہیں، اس نے یورپ سے بھی لوگوں کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی تاکہ شہر پھر سے آباد ہو جائے۔

اس کے علاوہ اس نے شہر کے تباہ شدہ بنیادی ڈھانچے کی از سرِ نو تعمیر کی، پرانی نہروں کی مرمت کی اور نکاسی کا نظام قائم کیا۔ اس نے بڑے پیمانے پر نئی تعمیرات کا سلسلہ بھی شروع کیا جس کی سب سے بڑی مثال توپ کاپی محل اور گرینڈ بازار ہے۔ جلد ہی طرح طرح کے دست کار، کاریگر، تاجر، خطاط، مصور، سنار، اور دوسرے ہنر مند شہر کا رخ کرنے لگے۔

سلطان فاتح نے ہاجیہ صوفیہ کو چرچ سے مسجد بنا دیا، لیکن انھوں نے شہر کے دوسرے بڑے گرجا 'کلیسائے حواریان' کو یونانی آرتھوڈاکس فرقے کے پاس ہی رہنے دیا اور یہ فرقہ ایک ادارے کی صورت میں آج بھی قائم و دائم ہے۔

سلطان فاتح کے بیٹے سلیم کے دور میں عثمانی سلطنت نے خلافت کا درجہ اختیار کر لیا اور قسطنطنیہ اس کا دار الخلافہ، اور تمام سنی مسلمانوں کا مرکزی شہر قرار پایا۔

سلطان فاتح کے پوتے سلیمان عالیشان کے دور میں قسطنطنیہ نے نئی بلندیوں کو چھو لیا۔ یہ وہی سلیمان ہیں جنھیں مشہور ترکی ڈرامے 'میرا سلطان' میں دکھایا گیا ہے۔ سلیمان عالیشان کی ملکہ خرم سلطان نے مشہور معمار سنان کی خدمات حاصل کیں جس نے ملکہ کے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کیا۔ سنان کی دوسری مشہور تعمیرات میں سلیمانیہ مسجد، خرم سلطان حمام، خسرو پاشا مسجد، شہزادہ مسجد اور دوسری عمارتیں شامل ہیں۔

■

غرناطہ اور الحمرا کے محلات

عامر حسین

آبپاشی کا نظام ہمیں ایک وسیع ماحولیاتی نظام فراہم کرتے ہیں جس پر ہمارے بہت سے ثقافتی ورثوں کا انحصار ہے۔ یہ گیارہویں صدی کی 'عینادار نہر' کا معاملہ تھا جو شہر کی سب سے پرانی کھائی تھی۔ ''آنسوؤں کا چشمہ'' کہلانے والے اس نے قرون وسطیٰ کے ضلع غرناطہ کی ترقی ممکن بنائی جواب یونیسکو عالمی ورثہ کا حصہ ہے۔

مؤرخین کا خیال ہے کہ الحمرا کو نویں صدی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگوں کے دوران سوار بن ہمدان نامی شخص نے ایک قلعے کے طور پر قائم کیا تھا۔

تاہم، یہ ناصرید خاندان کے پہلے بادشاہ محمد اول کی آمد تک نہیں تھا، جو سنہ 1230 سے 1492 کی ہسپانوی کیتھولک فتح تک حکمرانی کرتے رہے۔ مسلمان ماہر تعمیرات نے سبیکا پہاڑی (840 میٹر اونچائی) پر الحمرا کے بلند مقام پر شہر آباد کرنے کی مشکل کا حل نکال لیا اور 10 ہیکٹر پر پھیلے رقبے کو قابل رہائش شہر میں تبدیل کر دیا اور اس بلندی تک بھی دریائی پانی کی فراہمی کا مسئلہ حل کر دیا۔

افریقہ اور عرب سے نقل مکانی کر کے ان علاقوں میں آباد ہونے والے کئی صدیوں تک آس پاس کے علاقوں میں پانی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کھائیوں یا چھوٹی نہروں کا استعمال کرتے رہے تھے جو آبپاشی کے طریقوں کی بنیاد پر تھے جو انھوں نے بحیرہ روم اور جزیرہ نما آئبیریا کے پار توسیع کے دوران فارسیوں اور رومیوں سے سیکھے تھے۔

ناصریوں کی بڑی اختراع یہ تھی کہ ایک ایسا نظام تعمیر کیا جائے جو قریبی دریا سے چھ کلو میٹر دور پانی فراہم کر سکے اور پھر صحنوں، باغات اور غسل خانوں کے وسیع کمپلیکس تک پہنچ سکے۔

جیسا کہ جیمیز بیان کرتے ہیں کہ ''ہر چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ سب سے پہلے ناصرید ہی نے سبیکا کی سرخ پہاڑی تک پانی پہنچایا اور اسے قابل رہائش بنایا۔'' اُن کی اختراع کا بنیادی مقصد 'ایسکیا ریئل' تھی جو چھ کلو میٹر لمبی نہر تھی اور دریائے دارو سے نکالی گئی تھی۔ پانی کے بہاؤ کو بلندی کی طرف موڑنے کے لیے ایک ڈیم تعمیر کیا گیا تھا اور دریا کے بہاؤ کی قوت کو استعمال کرتے ہوئے اس بلندی سے چھوٹے چینلوں میں پانی تقسیم کرنے سے پہلے پہاڑی کے

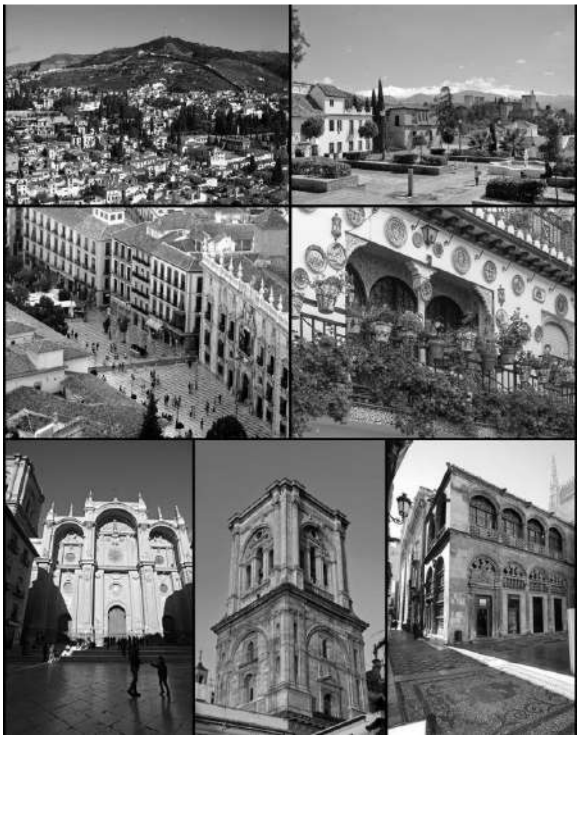

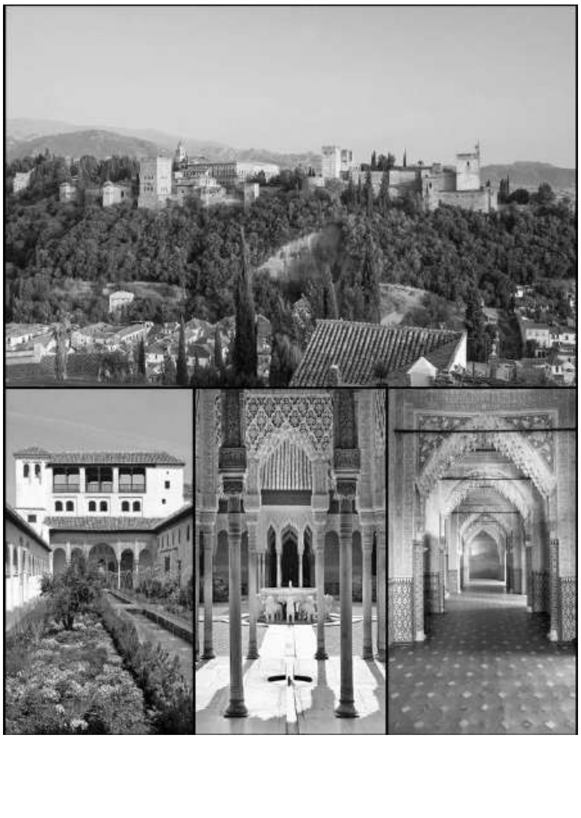

کنارے تک پہنچایا گیا۔

پانی کی چکیاں، پانی کو مختلف سطحوں تک پہنچانے کے لیے شامل کیے گئے تھے۔ اس کے بعد یہ بڑے تالابوں، حوضوں اور پائپوں کے ایک ہجوم پر مشتمل ایک پیچیدہ ہائیڈرولک یا آبی ڈھانچے کے ذریعے ایک مربوط نیٹ ورک میں منتقل ہوا، اس سے پہلے کہ اسے الحمرا باغات اور الحمرا محل تک ایک آبی نالی کے ذریعے پہنچایا گیا۔

سپین کے تیسرے بڑے شہر کو ان کھیتوں نے گھیرا ہوا ہے۔ اس کا راز نہایت ذہانت سے بنائی گئی ان ہوشیار بھول بھلیوں میں پوشیدہ ہے جو کاریزوں، کنوؤں اور فلڈ گیٹوں (بند) پر مشتمل ہے۔ آبپاشی کا یہ نظام 12 سو برس پہلے مسلم مورش حکمرانوں نے متعارف کروایا تھا جو مراکش سے یہاں آئے تھے۔

دریائے توریا سے آٹھ بڑی نہروں یا چینلوں سے پانی ڈھلوان میں بہہ کر چھوٹی آبی گزرگاہوں میں لایا جاتا ہے اور پھر وہاں سے چھوٹے چھوٹے کھیتوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ ان کھیتوں کو ملنے والے پانی کا انحصار دریا میں پانی کے بہاؤ پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے حجم پر۔

اس کے لیے فیلا کی اکائی استعمال ہوتی ہے۔ عربی میں اس کا مطلب ’تار یا دھاگے‘ کے ہیں۔ فیلا پیمائش ہے، اس پانی کی جو ایک مخصوص مدت کے دوران کسی فرد کو ملتا ہے۔ آب پاشی کا یہ عمل ایک ہفتے تک چلتا ہے، لیکن اگر دریا کا بہاؤ

کم ہو تو یہ عمل طویل ہو جاتا ہے۔

یہ ناقابل یقین حد تک موثر نظام ہے۔ ہر کھیت کو ایک وقت میں ایک ہی مقدار میں پانی ملتا ہے چاہے وہ کہیں بھی واقع ہو اور خشک سالی کے دنوں میں بھی پانی کی قلت نہیں ہوتی اور نتیجہ طرح طرح کی سبزیاں اور پھل کی صورت میں نکلتا ہے۔

بارسلونا سے مارچ میں آنے والی ایک خاتون سیاح کرسٹا ٹامَس کہتی ہیں کہ ”بہتا ہوا پانی الحمرا کو ایک سحر انگیز احساس دیتا ہے۔“ ’محل کا نظارہ مجھے سب سے زیادہ پسند آیا اور اندرونی صحنوں میں کشادہ تالابوں میں جھلکتا آسمان۔
ہمارے ٹور گائیڈ نے ہمیں بتایا کہ نصریوں کے لیے محل میں پانی کو مرکزی خیال کے طور پر رکھنا اُن کی حیثیت اور دولت کی ایک اہم علامت تھا۔ اس لیے پانی اس فن تعمیر کا ایک مرکزی عنصر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ اس کے بغیر اس جگہ کا تصور کرنا مشکل ہے۔‘

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، سٹی محل کے آبپاشی کے نظام کو وسعت دی گئی: مزید پن چکیاں اور تالاب بنائے گئے، اور بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے حوض شامل کیے گئے۔

بعد میں، ایک اور نہر مرکزی اسکواریل سے نکلی، جسے ’اسکواڈیل ٹریسو‘ کہا جاتا ہے، جس نے پانی کو اور بھی بلند کیا اور باغات کو بلندی پر سیراب کیا۔

الحمرا کے ہائیڈرولک کاموں کی سب سے ذہین مثالوں میں سے ایک شیروں کے محل میں پائی جاتی ہے۔ ایک بڑے، پُرسکون صحن کے بیچ میں، شیروں کا چشمہ سفید سنگ مرمر میں چمک رہا ہے، جس کے چاروں طرف آرائشی کالم ہیں۔

یہ فوارہ ایک بڑی پلیٹ پر مشتمل ہے جو 12 دیومالائی سفید شیروں کے مجسموں پر کھڑی ہے۔ ہر جانور اپنے منہ سے پانی اُگلتا ہے اور جنت کے چار دریاؤں کے تصور پر صحن کے سنگ مرمر کے فرش پر بنائی گئی چار نالیوں میں جاتا ہے اور پھر کمروں کو تازہ کرنے کے لیے پورے محل سے گزرتا ہے۔

الحمرا محلات ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سطح مرتفع پر بنائے گئے ہیں اور غرناطہ شہر اسی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ ٹور کی تفصیلات بتانے سے پہلے گائیڈ نے پوچھا کہ امید ہے کہ سب شرکاء ہسپانوی یا پرتگیزی زبان سمجھتے ہیں۔ سب کا جواب ہاں میں تھا مگر میری خاطر گائیڈ نے اپنا تخاطب انگریزی زبان میں رکھا۔ محلات کے ساتھ ساتھ وہاں خوبصورت باغات بھی نظر آتے ہیں۔ یہ تعمیرات تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں صدی کی ہیں۔ ابتدا تو کچھ تعمیراتی کام 889 عیسوی سے شروع ہوا لیکن اصل تعمیرات سقوط قرطبہ کے بعد کے زمانے کی ہیں جب خاندان بنو نصر نے قرطبہ میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد غرناطہ کو باقی ماندہ سلطنت کا دارالحکومت بنایا تھا۔

خانہ بدوشوں کی بستی غرناطہ سے اونچائی پر ایک پہاڑ کے اندر واقع ہے۔ اس پہاڑ کو یہ لوگ مقدس پہاڑ کہتے ہیں اور بستی کے گھر پہاڑ کے اندر غاریں کھود کر بنائے گئے ہیں۔ ایک خوبصورت جگہ پر کوسٹر رکی اور ہم نیچے اترے۔ ساتھ ہی ایک راستہ اوپر پہاڑ میں بنے گھروں (غاروں) کی طرف جا رہا تھا۔ تمام گھروں کا فرنٹ جو کہ ایک کمرے کی چوڑائی کے برابر ہے، دیدہ زیب رنگوں سے سجا ہوا تھا۔ چونکہ غار کے منہ پر ہی روشنی ہوتی ہے اس لئے شروع میں ہی باورچی خانہ اور کھانے کے لئے بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ اس سے پیچھے کسی غار میں ایک کمرہ ہے تو کسی میں دو، غار کی لمبائی پر منحصر ہے۔

غاروں کے اندر بنے گھروں کی اندرونی سجاوٹ بڑی عجیب و غریب تھی۔ دیواروں اور چھتوں پر دھات کے بنے برتن مثلاً دیگچے، پراتیں، فرائنگ پین، چھاننے اور بڑے چمچے وغیرہ لٹکائے ہوئے تھے۔

یہاں کے باسی خانہ بدوشوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شمالی ہندوستان سے سولہویں صدی کے آغاز میں آکر آباد ہوئے تھے۔

■

کینابڈیول صحت مند نامیاتی مرکب

افسانہ بدر

CBDایک بہترین نامیاتی مادہ ہے کیونکہ یہ جسم کے اہم افعال کو مضبوط بنانے کے لیے اینڈوکانابینوئڈ سسٹم میں اینڈوکانابینوئڈ ریسیپٹرز کے ساتھ نیٹ ورک کرتا ہے۔ اس مضمون میں سی بی ڈی گیمیز کو استعمال کرنے کے طریقے، سی بی ڈی گیمیز کی حفاظت، سی بی ڈی گیمیز کی صحیح خوراک اور بہترین سی بی ڈی گیمیز کو کہاں تلاش کرنا ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سی بی ڈی مارکیٹ مختلف پروڈکٹس سے بھری ہوئی ہے، ٹاپیکلز سے لے کر بامز تک۔ بہت سے کینابڈیول پروڈکٹس میں سے انتخاب کرنے کے پیش نظر، کوئی بھی اس حالت کی بنیاد پر صحیح پروڈکٹ کے بارے میں الجھن میں پڑ سکتا ہے جس کا وہ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ افراد جو نہیں جانتے کہ اپنے سی بی ڈی سفر کو شروع کرنے کے لیے کون سی مصنوعات خریدیں، انہیں خاص طور پر سی بی ڈی کھانے کی اشیاء خریدنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ سی بی ڈی گیمیز. چونکہ سی بی ڈی گیمیز پہلے سے ہی خوراک میں استعمال کی جاتی ہے، خوراک بنانے کا دباؤ الگ ہو جاتا ہے۔

گوند کھانے کی چیز ہے جو CBD کے ساتھ ملتی ہیں، جسے کینابیڈیول بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مختلف شکلوں، ذائقوں، رنگوں اور کینابیڈیول کی مختلف طاقتوں میں دستیاب ہیں۔ سی

بی ڈی گمیز کے کچھ برانڈز سی بی ڈی الگ تھلگ استعمال کرتے ہیں، جبکہ دیگر مکمل سپیکٹرم سی بی ڈی استعمال کرتے ہیں۔ کسی بھی طرح، جب تک چیچپا کافی سی بی ڈی کے ساتھ متاثر ہوتا ہے، اس کے اثرات جسم میں محسوس ہوتے ہیں۔

ٹکنچر، گولی، یا چیچپا ریچھ کے طور پر CBD کی زبانی انتظامیہ اسے استعمال کرنے کا سب سے محفوظ طریقہ ہے۔ ڈاکٹروں نے مصنوعی سی بی ڈی پروڈکٹس سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا ہے جسے مسالوں یا نہانے کے نمکیات کے طور پر فروخت کیا جاتا ہے کیونکہ وہ صحت کے اہم مسائل جیسے دماغی امراض اور جلد کی حالتوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ جنہوں نے CBD مصنوعات کا استعمال کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ کچھ منفی اثرات کے امکان کے باوجود روزمرہ کے استعمال کے لیے محفوظ ہیں۔ منفی ردعمل میں جلن، متلی اور تھکن شامل ہو سکتی ہے۔ بہرحال، یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اگر یہ منفی اثرات ہفتوں تک برقرار رہیں تو اسے لینا بند کر دیں اور لائسنس یافتہ صحت کی دیکھ بھال فراہم کرنے والے سے مشورہ کریں۔

شینن وغیرہ۔ (2016) انہوں نے کہا کہ سی بی ڈی گیمیز اور زیادہ تر CBD مصنوعات نے مختلف بیماریوں کے علاج میں نمایاں صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ فائدہ یہ ہے کہ ذائقوں کو سی بی ڈی گیمیز میں شامل کیا گیا ہے تاکہ ان کے گری دار میوے کے ذائقہ اور بو کو چھپا سکے۔ مزید برآں، اگرچہ سی بی ڈی کو خون کے دھارے میں داخل ہونے میں وقت لگتا ہے، سی بی ڈی گمیز استعمال کی تجویز کردہ شکل ہے۔ سی بی ڈی گیمیز بار بار آنے والے عوارض جیسے گٹھیا اور دائمی درد کے علاج کے لیے عملی ہیں کیونکہ وہ جسم میں تقریباً 12 گھنٹے تک رہ سکتے ہیں۔ سی بی ڈی مصنوعات کا استعمال محفوظ ہے۔ تاہم، دوسری دوائیں لینے والوں کو CBD استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنے سے جسم پر منفی اثر پڑ سکتا ہے۔

اگرچہ CBD پروڈکٹس کے جسم پر نقصان دہ اثر ہونے کی بہت سی رپورٹیں نہیں آئی ہیں، لیکن حفاظت CBD کے بارے میں اکثر پوچھے جانے والے موضوعات میں سے ایک ہے۔ ہولٹ وغیرہ۔ (2022) نوٹ کیا کہ سی

بی ڈی گمیز کا ایک فائدہ یہ ہے کہ فی پیکج میں سی بی ڈی کی تھوڑی سی مقدار ہوتی ہے، اس لیے لوگوں کو مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے کے لیے زیادہ سی بی ڈی گمیز کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ غذائی سپلیمنٹس تلاش کرنے والے صارفین کے لیے سی بی ڈی گمیز سب سے محفوظ متبادل ہیں، لیکن صرف اس صورت میں جب وہ مصنوعہ کار کی ہدایات کے مطابق استعمال کریں۔

gummies کے لیے طاقت کی متعدد سطحیں ہیں۔ کچھ برانڈز کے مسوڑوں میں 25 ملی گرام CBD شامل ہوتا ہے، جب کہ دوسری کمپنیوں کی صرف 5 ملی گرام ہوتی ہے۔ بہترین فوائد حاصل کرنے کے لیے، کسی کو یہ یقینی بنانا ہوگا کہ کوئی مناسب خوراک لے۔ مندرجہ ذیل عناصر، دوسروں کے درمیان، مثالی CBD چپچپا خوراک کو متاثر کریں گے:

جسم کے وزن

جسمانی میٹابولزم اور کیمسٹری

سی بی ڈی کی طاقت کی سطح

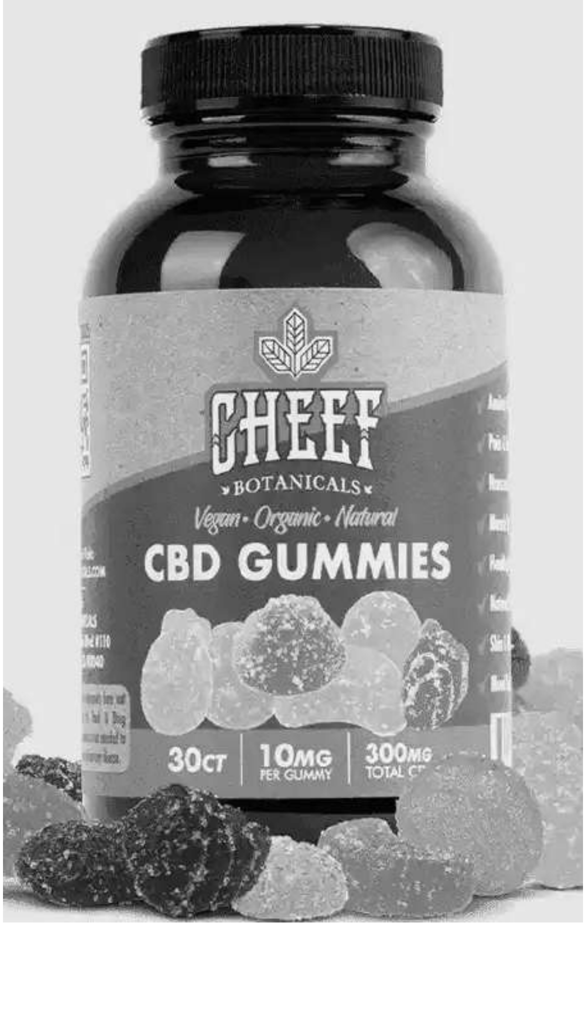

حیوی فراہمی

حالت زیر علاج

تاہم، سی بی ڈی گیمیز اکثر تجربہ کرکے کام کرتے ہیں۔ آپ کے لیے صحیح خوراک تلاش کرنے کے لیے کچھ مختلف سی بی ڈی گیمیز آزمانے کی ضرورت ہوگی۔ درج ذیل عناصر ہیں جو سی بی ڈی گیمیز کی خوراک کو تفصیل سے متاثر کرتے ہیں۔

جسمانی وزن اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ کا جسم کتنی اچھی طرح سے کچھ مادوں کو سنبھال سکتا ہے، جیسے CBD یا سپلیمنٹ۔ کوئی فرد کے جسمانی وزن کی بنیاد پر مناسب خوراک کا حساب بھی لگا سکتا ہے، جسے اگر کوئی زیادہ فارماسولوجیکل اثرات چاہے تو تبدیل کر سکتا ہے۔ وزن کا چارٹ جو وزن کے لحاظ سے مناسب خوراک کا حساب کرتا ہے عام طور پر ہسپتالوں اور فارمیسیوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ سی بی ڈی گیمیز کی خوراک جسمانی وزن کے ساتھ بڑھ جاتی ہے۔

2019 پتہ چلا کہ جس عمل کے ذریعے جسم خوراک کو توانائی میں تبدیل کرتا ہے اسے میٹابولزم کہا جاتا ہے۔ میٹابولزم کی شرح خوراک کے فیصلوں میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، بشمول اس معاملے میں سی بی ڈی گیمیز کی مقدار۔ اگر صارف مصنوعات کے اثرات کو زیادہ تیزی سے محسوس کرنے کو ترجیح دیتا ہے تو کسی کو خالی پیٹ سی بی ڈی گیمیز لینا چاہیے۔ڈاکٹر کھانے کے بعد CBD لینے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ یہ CBD کی میٹابولزم کی رفتار کو سست کردے گا اور اس کے نتیجے میں سست اثرات مرتب ہوں گے۔

چونکہ ہر شخص کی جسمانی کیمسٹری مختلف ہوتی ہے، اس لیے سی بی ڈی کی مختلف خوراکیں مختلف افراد کو متاثر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، کچھ لوگ استعمال کے پہلے دن کے دوران سی بی ڈی گیمیز کے اثرات کا تجربہ کرتے ہیں، جبکہ دوسرے دو ہفتے گزر جانے تک انہیں محسوس نہیں کرتے۔ سی بی ڈی گیمیز ی تاثیر اس بات سے متاثر ہوتی ہے کہ cannabinoid نظام کتنا موثر یا غیر موثر ہے۔ اگر آپ کو کسی بھی منفی ضمنی اثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کا کا استعمال بند کرنا بہتر ہے۔

چونکہ یہ اہم جسمانی سرگرمیوں کو سپورٹ کرنے کے لیے اینڈوکانابینوئڈ سسٹم میں اینڈوکانابینوئڈ ریسیپٹرز کے ساتھ تعامل کرتا ہے، اس لیے سی بی ڈی ایک صحت مند نامیاتی مرکب ہے۔ سی بی ڈی کا کاروبار مختلف ٹاپیکلز، باموں اور کینڈیوں کے ساتھ پروان چڑھتا ہے۔ دستیاب کینابڈیول پروڈکٹس کی مختلف اقسام کو دیکھتے ہوئے، اس بیماری کے لحاظ سے بہترین کا انتخاب کرنا جس کا علاج کرنا چاہتا ہے الجھن کا باعث ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے CBD ایڈونچر کو شروع کرنے کے لئے کون سی اشیاء خریدنے کے بارے میں یقین نہیں رکھتے ہیں، انہیں CBD کھانے کی اشیاء، خاص طور پر اسکے خریدنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ خوراک کے ساتھ آنے کے دباؤ سے نجات ملتی ہے کیونکہ اس سے پہلے سے خوراک کی جاتی ہے۔

■

EMOTIONAL NEGLECT IN CHILDHOOD

Shahnaz Akhtar

Emotional neglect can exist on a spectrum. Some caregivers may be attentive to certain emotional needs of a child but not others, while others may completely neglect the minor's emotional needs. In general, emotional neglect during childhood involves inattentiveness to the kid's emotional development and can have both long- and short-term effects. Under the Keeping Children and Families Safe Act of 2003, emotional neglect in childhood is defined as a caregiver's failure to act, resulting in a higher chance of serious harm for the minor.

Emotional neglect may involve any pattern of behavior or omission that doesn't allow a child's emotional needs to be met at a level where they can thrive. Montina Myers-Galloway, a licensed clinical mental health counselor in Charlotte, North Carolina, explains that emotional neglect involves unnoticed or unaddressed emotional needs

"Children need someone to listen to them, to validate their feelings, to have appropriate expectations for them based on their age, and they need the adults in their life to provide guidance

جنوری
2023ء
اظہار

on the challenges they face as they are developing," she explains.

Examples of emotional neglect may include:

- lack of emotional support during difficult times or illness
- withholding or not showing affection, even when requested
- exposure to domestic violence and other types of abuse
- disregard for a child's mental well-being
- lack of intervention on the child's behalf (e.g., allowing behavioral problems to go unaddressed)
- social isolation
- being emotionally unavailable or absent
- ignoring a child
- pushing a child past their mental and physical abilities

Intentional vs. unintentional emotional neglect

Childhood emotional neglect can vary in both cause and severity. For some caregivers, emotional neglect may be intentional — acts of denying or diminishing emotions to "toughen" up children, for example.

"An intolerance for boys to cry because of gender norms in our society [is an example]," points out Beth Tyson, a psychotherapist specializing in childhood trauma from Media, Pennsylvania. "Crying is a natural response to fear and sadness. When we don't allow boys to cry, they stifle their emotions, causing behavioral problems down the road."

It's also possible that a caregiver isn't aware they aren't meeting a child's emotional needs. This unintentional form of childhood emotional neglect can stem from past experiences, and the emotional patterns passed down to the caregiver from their guardians.

"Adults with unresolved trauma from their childhood will often be triggered by a child's emotional needs," says Tyson. "Especially if the adult experienced emotional neglect or abuse as a child. When we witness our children demanding a need to be met

that was not met for us as children, it activates the old memories that the behavior is unacceptable."

Being uncomfortable with emotions may encourage neglectful behaviors like:

- Invalidating children's pain or emotional expression
- Using distractions to stifle or avoid emotional expression
- Allowing children to spend an abundance of time on electronics to "stay quiet"
- Avoiding eye contact with a child because you're on your phone

First, let me say most parents are well-intentioned and well-meaning and generally do the best they can. Some may have experienced emotional neglect themselves as children, and therefore may not have a lot to give emotionally. However, there are some parenting styles and characteristics that lend themselves to emotional neglect.

Authoritarian parents want their children to follow the rules, and have little time or inclination for listening to a child's feelings and needs. As adults, children raised by an authoritative parent may either rebel against authority or perhaps become submissive.

Permissive parents have a laissez-faire attitude about child rearing and may let children pretty much fend for themselves. Children raised by permissive parents may have a tough time setting boundaries and limits for themselves in adulthood.

Parents with narcissistic qualities feel the world revolves around them. It's typically all about the parent's needs instead of the child's. As adults, these children may have difficulty identifying their needs and ensuring that they're met. They may even feel that they don't deserve to have their needs met.

Perfectionistic parents tend to believe their children can always do more or better. These are the parents who may complain when a child brings home a report card with all A's and one B. Children of such parents may grow up to be perfectionists, and set unrealistically high expectations for themselves, resulting in anxiety around feelings of never being good enough.

Absent parents can be removed from a child's life for a variety of reasons, such as death, illness, divorce, working long hours, or frequent travel for work. Children of absent parents end up raising themselves to a large extent, and if they are the oldest child may also raise their younger siblings. These children tend to be overly responsible, which may carry over to adult life. As children, they seem like little adults, overburdened with worry about their families.

Many adults who experienced emotional neglect as children are often unaware of what they need and typically don't feel deserving of getting their needs met. Develop your emotional vocabulary by researching emotions and needs online or at the library. Once you know what you need, it's time to take action.

Rome wasn't built in a day! This is a process. When you skin your knee, you need to clean out the wound and expose it to the light of day; the same holds true for emotional wounds. Dare to bring the wound out of hiding, give it some light and air, and you'll be on the road to healing.

■

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ آرٹس کونسل کراچی میں صوبائی محکمہ ثقافت کی جانب سے بلائی گئی
موسمیاتی تبدیلی کے باعث سندھ کے ورثے کو درپیش نئے چیلنجز' کے موضوع پر کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ وزیر ثقافت سردار شاہ کے ہمراہ آرٹس کونسل کراچی میں موہن جو دڑو کی
کھدائی کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر مجسمہ سازی اور مصوری کی نمائش کا افتتاح کرنے کے لیے ربن کاٹ رہے ہیں۔

بھنبھور: سندھ کا قدیم تاریخی اور ساحلی شہر

سوال یہ ہے کہ قدیم سندھ کا یہ تاریخی شہر کیسے اجڑا اور کب ویران ہوا؟ محققین کا اس میں بھی اختلاف ہے۔ رسول بخش تمیمی اپنی سندھی تصنیف ''ٹھٹھہ صدیوں پہلے'' میں لکھتے ہیں کہ بھنبھور کے اجڑنے میں ایک رائے یہ ہے کہ سمندری طوفانوں اور قدرتی آفات نے اسے ملبے کا ڈھیر بنایا۔ دوسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ حملہ آوروں نے اس کی رونقوں کو ختم کیا ہے۔ اس قدیم شہر کے بارے میں یہ رائے عام ہے کہ سمندر کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ یہ شہر بنتا اور بگڑتا رہا، یہاں کے باشندوں کا ذریعہ روزگار بھی سمندر سے ہی منسلک تھا۔ محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ دریائے سندھ قدیم دور میں بھنبھور کے قریب بہتا تھا، جب تیرھویں صدی عیسوی میں دریا نے رخ موڑا تو یہ شہر بھی اجڑ گیا۔ دریائے سندھ آج بھنبھور سے جنوب مغرب کی جانب کیٹی بندر کے قریب کارو چھان کے مقام پر بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ جب دریا نے اپنا مقام بدلا تو سمندر نے اس کی جگہ لے لی۔ بھنبھور قلعے کے جنوب میں خلیج نما سمندری پٹی دیکھی جا سکتی ہے، جسے "گھارو کریک" کہا جاتا ہے۔ قلعے کی بلندی سے سمندر کے اس مدھم کنارے میں ماہی گیروں کی کشتیاں اور اطراف میں سمندری نمک بنانے کا کارخانہ نظر آتا ہے۔